

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188590

UNIVERSAL
LIBRARY

سلطان الہند محمد شاہ بن تغلق

مصنفہ

پروفیسر آغا مہدی حسین ، ایم۔ اے ، پی ، ایچ۔ دی ، دی۔ لٹ
ہسٹری ڈیپارٹمنٹ ، انڈیا کالج ، آگرہ -

۱۹۳۷

الہ آباد :

ہندوستانی اکیڈمی ، یو۔ پی

۱۹۳۷

سلطان الهند
محمد شاه بن تغلق

سلطان الہند

محمد شاہ بن تغلق

مصنفہ

پروفیسر آغا مہدی حسین ، ایم۔ اے ، پی ، ایچ۔ دی ، دی۔ لٹ
ہسٹری ڈیپارٹمنٹ ، اکرہ کالج ، اکرہ -

الہ آباد :

ہندوستانی اکیڈمی ، یو - پی

۱۹۳۷

فہرست مضامین

صفحہ

الف ...	...	...	۱—دیباچہ
۱ ...	...	...	۲—پہلا باب : مآخذ
۱۵ ...	...	...	۳—دوسرا باب : سیاسی فضا
۳۷ ...	...	...	۴—تیسرا باب : ولیمعہدی
۵۳ ...	...	...	۵—چوتھا باب : بادشاہت
۱۲۷ ...	...	...	۶—پانچواں باب : سہرت
۱۷۹ ...	...	...	۷—چھٹا باب : یادگاریں
۱۹۳ ...	...	...	۸—ساتواں باب : نظام سلطنت
۲۰۹ ...	...	...	۹—آٹھواں باب : تہذیب و معاشرت

نقشے

۵۵ ...	...	۱—سلطان محمد کی سلطنت ابتدا میں
۱۲۲ ...	...	۲—سلطان محمد کی سلطنت آخر میں

تصویریں

- ۱—باپ بیٹے کا مقبرہ -
- ۲—سکوں کے نمونے -

دیباچہ

دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء میں ہندوستانی اکیڈمی کے قابل قدر اور نامور سکریٹری ڈاکٹر نارا چند صاحب کا ایک خط مجھے ملا جس سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی اکیڈمی کی ایکزیکیوٹو کونسل (Executive Council) نے سلطان محمد کی تاریخ اردو میں لکھنے کے لئے مجھے جیسے گمان کو منتخب کیا ہے - میں نے شکریہ کے ساتھ اس خط کی رسید لکھ دی - پھر باہمی خط کتابت شروع ہوئی جس کا سلسلہ تقریباً دو مہینے رہا - فروری سنہ ۱۹۳۰ء میں میلے کتاب لکھنے کا اقرار کر لیا - ایک سال کی مدت مجھے اس کام کے لئے دی گئی مگر جس وقت میں نے اس مضمون پر غور کرنا شروع کیا تو مہرے دل میں الجھن سی پیدا ہوئی - اسی اثنا میں ڈاکٹر صاحب موصوف سے ملاقات ہوئی تو میں نے دریافت کیا کہ یہ کتاب کتنی گہری ہونی چاہئے؟ جواب دیا ”جو معلومات اس وقت سلطان محمد کی بابت ہو چکی ہیں“ وہ سب اس میں آجائیں - لیکن مہرا دل نہ مانا - مجھے یہ خواہش ہوئی کہ جو کچھ مہری قلم سے نکلے نئے انکشافات کا مستوزن ہو - یہ کام آسان نہ تھا - خاص کر عظیم الفرستی میں، کالج کی پابندی میں، فرض منصبی کی ادائیگی میں، صرف بڑی چھٹیوں کا زمانہ ملا جس میں معلومات کی غرض سے میں نے سفر کیا - اور سنہ ۱۹۳۰ء کی گرمیاں میں نے سفر ہی میں گزاریں - دہلی - علی گڑھ اور الہ آباد کے کتب خانوں سے مجھے مدد ملی - تاریخ مبارک شاہی کا قلمی نسخہ ملا - مسالک الابصار کی عکسی تصویر ملی اور بھی کئی چھڑیں دستیاب ہوئیں - جن میں سے ضیاء الدین برنی کی تاریخ برامکہ، راء بہادر گوری شکر اوجھا کا راجپوتانہ کا انہاس راجپوتانہ کا ہتھاس سیاست نامے کا فرانسیسی ترجمہ اور قصاید بدرچاچی کی شرح قابل ذکر ہیں -

پریمانواں ضلع پرتاب گڑھ کے رئیس اور محقق خان بہادر جناب علامہ نواب احمد حسین صاحب مذاق او - بی - ای کے کتب خانے سے طالعہ ہند - سہرالولہا اور سفر نامہ ابن بطوطہ مترجمہ مولوی محمد حسین کے نسخے ملے -

رحلہ ابن بطوطہ عربی مطبوعہ مصر میں نے بمبئی سے منگایا - سکون کو میں نے
دہلی کے عجائب خانے میں دیکھا اور ایڈورڈ ٹامس کی کتاب Chronicles of
Pathan King کا بھی مطالعہ کیا -

میں نے اگست ۱۹۳۰ء میں یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی - لیکن کالج
کی مصروفیتوں کے سبب کئی کئی ہفتے ایسے گزر جاتے کہ قلم اٹھانا تو کیسا ؟
میں اس کا خیال بھی دل میں نہ لاسکتا تھا - مگر جب کبھی وقت ملتا میں
لکھنے ہی میں صرف کرتا - یوں ہی ایک سال سے زیادہ گزر گیا اور کتاب
ختم نہ ہوئی - جوں جوں وقت زیادہ ہوتا جاتا مجھے میعاد کے گزر جانے کا
خوف بڑھتا جاتا - اور ساتھ ہی مضامین کا اندیشہ ہوتا - لیکن میں نے جو
کچھ لکھا ہے مختصر لکھا ہے - اور سلطان محمد کی زندگی کے حالات ہی
نہیں لکھے بلکہ اس کے عہد کی تاریخ لکھی ہے ، اس کا نظام سلطنت لکھا ہے ،
اس کے زمانے کی یادگاروں اور عمارتوں کا حال لکھا ہے ، اس کے دور کی تہذیب
و معاشرت لکھی ہے -

زبان کو میں نے حتی الامکان بامقصورہ اور عام فہم بنانے کی کوشش کی
ہے - مشکل اور غہر معروف عربی اور فارسی الفاظ کی بجائے روزمرہ کی
بول چال کے آسان آسان الفاظ سے کام لیا ہے -

ناظرین سے مہری استدعا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو
در گذر فرمائیں اور مجھے اپنی بیش بہا معلومات اور زریں راییوں سے مستفاد
نہ رکھیں - خدا کرے مہری یہ خدمت قبول ہو ! -

تاریخ کا فدائی

مہدی حسین

آگرہ کالج ، آگرہ - ۹ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء

یہ کتاب ۱۳ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء کو ہندوستانی اکہدیمی کے دفتر میں
پہونچی - وہاں مہینہ بھر تک اس کی جانچ کی گئی - ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء
کو ڈائری صاحب موصوف نے مجھے اطلاع دی کہ مضامین فائے ہیں اور بڑی
مصلحت سے لکھے گئے ہیں ، مگر طولانی ہیں - اور اس بنا پر کہ مختصر کر دیا
جائے کتاب واپس کر دی - کتاب جب تک قریب قریب دوبارہ نہ لکھی

(ج)

جائے مختصر نہ ہو سکتی تھی ورنہ مضمون بالکل خبط ہو جاتا - مجبوراً
میں نے پھر لکھا - جس سے کتاب کی صورت بدل گئی - پہلے اُس میں
چودہ باب تھے - اب بجائے چودہ کے آٹھ رہ گئے - لیکن دلچسپ اتنی
ہی ہے -

خدا کرے پسند خاطر ہو

مہدی حسین

۲۲ نومبر سنہ ۱۹۳۲ء -

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

چوتھا باب

بادشاہت

سلطان محمد تھا بڑے نصیبی والا - اس کو باپ کی طرف سے اتلی بڑی اور ایسی نایاب وراثت ملی کہ جہاں گہر اور شاہ جہاں کو بھی نصیب نہ ہوئی، خزانہ ایسا بھرپور ملا جس کی کچھ انتہا نہیں - تاریخ کی کسی کتاب سے اُن رقموں کا جو سلطان غیاث الدین تغلق نے خزانے میں چھوڑیں تھیں اندازہ نہیں ہو سکتا - اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے سونا چاندی بہت جمع کیا تھا - ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ ”تغلق آباد میں سلطان غیاث الدین تغلق کا خزانہ اور محل میں نے دیکھا - محل بہت بڑا تھا اور اس کی ایلگوں پر سونا چڑھا ہوا تھا - جس وقت سورج نکلتا تھا اس وقت سونے کی دمک سے کوئی شخص محل کی طرف آنکھ جما کر نہیں دیکھ سکتا تھا - اُس میں سلطان غیاث الدین تغلق نے بہت سامان جمع کر رکھا تھا، کہتے ہیں کہ سلطان نے اُس میں ایک حوض بنوایا تھا جس میں سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا - سونا جم کر ایک ڈالا ہو گیا تھا“ -

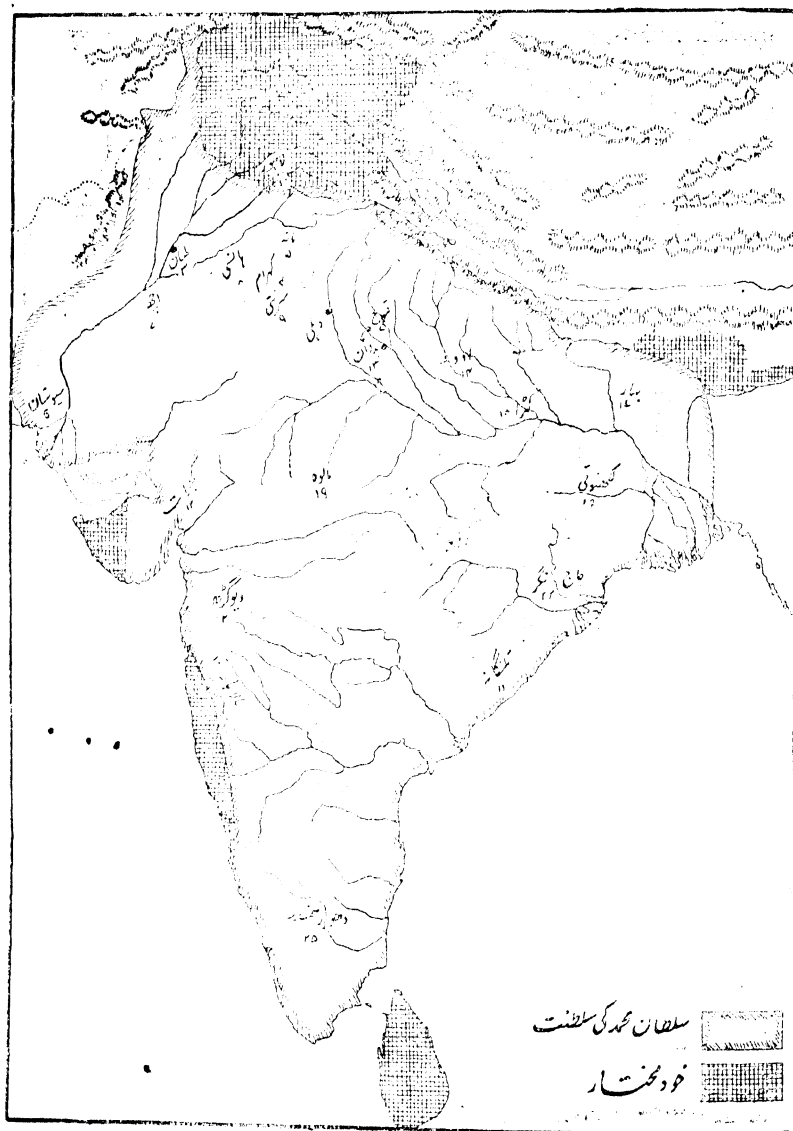
غرض سلطان محمد کو وراثت میں بے شمار دولت ملی تھی جس کی تلخید تاریخ فیروز شاہی سے ہوتی ہے - اس دولت کے علاوہ جو مال ملا وہ بھی لق و دق تھا - اگر یہ کہا جائے کہ جتنی بڑی اور جتنی وسیع سلطنت اورنگزیب کو نہیں ملی تو غلط نہ ہوگا - اس لئے کہ اورنگزیب کو جو سلطنت ورثے میں ملی اس کی جنوبی حد احمد نگر تک تھی - برخلاف اس کے سلطان محمد کی سلطنت انتہائے جنوب تک پھیلی ہوئی تھی - البتہ اورنگزیب کی طرح سلطان محمد کی سلطنت میں نہ کشمیر شامل تھا اور نہ سندھ کے اس پار کا علاقہ - مغلیہ بادشاہوں کے پاس اورنگزیب کے زمانے تک غزنی اور کابل کے علاقے تھے جن پر سلطان محمد کا قبضہ نہ تھا - اس زمانے میں ان علاقوں پر چنگیز خانی مغل حکمران تھے - مگر کشمیر

اور افغانستان کو چھوڑ کر سلطان محمد کی سلطنت میں قریب قریب کل ہندوستان شامل تھا جس کا شمال مشرقی کنارہ کوهستان ہمالیہ تک چلا گیا تھا اور شمال مغربی دریائے سندھ تک - مشرق اور مغرب میں اس کی سرحدیں سمندر سے ملی ہوئی تھیں - جنوب میں اس کا سلسلہ راس کماری تک اور شمال میں کشمیر تک پہنچا ہوا تھا البتہ مشرقی اور مغربی گھاٹیوں پر چند بندرگاہیں سنداپور، ہنور، ملنجور، چ-رائتن، دلیفتن، فلدرینہ، گالی کت اور پٹن آزاد تھیں - لیکن یہ سب کی سب سلطان محمد کی عظمت و جلالت سے سپہمی ہوئی تھیں اور اس کو ایک زبردست اور عظیم الشان بادشاہ تسلیم کرتی تھیں - اس بات کی تائید ابن بطوطہ سے ہوتی ہے اور ابو صفا عمر سے بھی - ابو صفا عمر نے اپنی آنکھوں سے سلطان محمد کا زمانہ دیکھا تھا - وہ لکھتا ہے کہ ”آج سلطان محمد کی یہ شان ہے کہ اس کا حکم سارے ہندوستان پر جاری ہے“ وہ خشکی و تری کا مالک ہے، وہ سچے سچ سلطان الہند ہے، سلطنت میں اس کا کوئی حریف باقی نہیں۔“

سلطان محمد کی اس وسیع سلطنت میں ظہیر الدین برنی کے نزدیک بارہ صوبے تھے - (۱) ہندوستان (۲) گجرات (۳) مالوہ (۴) مہاراشٹر (۵) تلنگانہ (۶) کلدیہ (۷) دھور سمندر (۸) معبر (۹) لکھنوتی (۱۰) سنگتانوں (۱۱) سنار گاؤں (۱۲) تہمت، لیکن مسالک الابصار میں اودہ کے رئیس سراج الدین ابوالفتح عمر کی زبانی تینیس صوبے لکھے ہیں: (۱) دہلی (۲) دیوگیر (۳) ملتان (۴) کھرام (۵) سامانہ (۶) سیوستان (۷) اچھ (۸) ہانسی (۹) سوستی (۱۰) مالابار (۱۱) تلنگانہ (۱۲) گجرات (۱۳) بدایوں (۱۴) اودہ (۱۵) قلعو (۱۶) لکھنوتی (۱۷) بہار (۱۸) کڑہ (۱۹) مالوہ (۲۰) لاہور (۲۱) کلانور (۲۲) جاج نگر (۲۳) دوار سمندر - ان کے علاوہ ابن بطوطہ نے معبر کا صوبہ اور لکھا ہے -

معبر دکن کے مشرقی ساحل پر اُس قطعے کا نام تھا جو آج کل کورومندل (Coromandal) اور کرناٹک کہلاتا ہے - بعضوں کو معبر پر مالابار کا شعبہ ہوا ہے - انہوں نے معبر اور مالابار کو ایک ہی صوبہ سمجھا ہے مگر اصل یہ ہے کہ معبر اور مالابار سلطان محمد کی سلطنت کے الگ الگ حصے تھے - سر تھامس ہالڈیج (Sir Thomas Holdich) نے لکھا ہے کہ ”آٹھویں صدی سے

سلطان محمد کی سلطنت اہستہ درامیں



لے کر گیارہویں صدی عیسوی تک عرب سمندر کے اور کل تجارتی راستوں کے مالک تھے۔ جس زمانے ان کا تسلط ہندوستان کے شمال میں سیستان اور افغانستان پر ہوا اسی زمانے ان کا اقتدار جنوبی ہندوستان کے ساحلوں پر بھی قائم ہو گیا تھا۔ وہ جنوبی ہند کے مغربی ساحل کو ملیبار اور مشرقی ساحل کو معبر کہا کرتے تھے۔ معبر کے معنی گھاٹ کے ہیں۔ عربوں نے گھاٹ کا ترجمہ معبر کیا ہے۔“

یہ ثابت ہو گیا کہ معبر اور چوڑے اور مالابار اور، لیکن یہ نہیں کہا کہ معبر اور کونائک میں کیا فرق ہے؟ اور معبر کی حد کہاں سے کہاں تک ہے اور مالابار کی کہاں سے کہاں تک؟ قدیم زمانے میں ہندوستان کے مشرقی ساحل کو جو دریائے کاریدی سے پالار تک پھیلا ہوا تھا چولامندل کہا جاتا تھا۔ جب پندرہویں صدی میں پرتگیز آئے تو اسی رعایت سے وہ کاریدی سے لے کر پالار تک کے ساحل کو کورومندل کہنے لگے۔ بعد میں اس ساحل کا نام کونائک بھی پڑ گیا مگر کونائک اصل میں دکن کے اس علاقے کا نام ہے جو دریائے کرشنا کے جنوب میں پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور جہاں کنتری زبان بولی جاتی ہے۔ معبر کے باشندوں کی زبان تامل ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں معبر اور جنوب مغرب میں ملیبار کے ساحل واقع ہیں اور درمیان میں ترواویڈیوں کا ملک ہے جو تامل کنتری کہلاتا ہے، اسی میں معبر کا علاقہ بھی شامل ہے۔ ابوالفدا نے لکھا ہے کہ ”معبر اور مالابار کو راس کمارى جدا کرتی ہے یعنی راس کمارى پر مالابار کی حد ختم ہوتی ہے اور وہاں سے معبر شروع ہو جاتا ہے“ جس کا سلسلہ نیماور سے جا ملا ہے۔“ عبداللہ بن فضل اللہ وصال کی بھی یہی تحقیق ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ”معبر کولم سے شروع ہو کر نیماور پر ختم ہوتا ہے۔“

اس وسیع سلطنت پر سلطان محمد نے نام کو تو پچیس برس بادشاہت کی لیکن اصل میں صرف دس سال (اس لئے کہ دسویں سال معبر خود مختار ہو گیا اور پھر سلطنت دہلی میں شامل نہ ہوا۔ اس وقت سے سلطنت گھٹتی ہی گئی اور باقی پندرہ سال بڑی کشمکش میں گذرے۔ سلطان محمد کا انتقال ہوا تو آدھی کے قریب سلطنت ہاتھ سے نکل چکی تھی) سارا دکن خود مختار تھا، وجینا نگر کو بساکر بکا افق اور ہری ہر

करीहर نے اپنی راج دھانی بڑا لیا تھا - حسن گنگو بہمنی نے گلبرگہ میں بہمنی سلطنت کی بلیاد قائم کر دی تھی ، ازیسہ میں سلطان محمد کا فتح کیا ہوا علاقہ جاج نگر آزاد ہو گیا تھا ، گجرات میں بادشاہ کی بڑی مخالفت ہو رہی تھی اور باغیوں نے ایک آگ سی لگا دی تھی جس کے شعلے دکن سے لے کر سندھ تک بھڑک رہے تھے - ان بغاوتوں نے بادشاہ کے پیچیدہ سی سالہ عہد حکومت کو دو بڑے حصوں میں منقسم کر دیا (ایک حصہ دس سالہ ہے اور دوسرا پندرہ سالہ - پہلے دس سال میں سلطان محمد کا ستارہ عروج پر تھا اور اقبال اس کے ساتھ ساتھ تھا ، ملک میں امن چھین تھا ، بس قحط کی ایک آسمانی بلا ایسی تھی جس سے یہ زمانہ بھی نہ بچا - جب ہی سے صورت بدلنے لگی - اقبال نے پشت پھیرنی شروع کی اور اِدبار شروع ہو گیا -)

مورخوں کا اتفاق ہے کہ شروع شروع میں سلطان محمد ہر دل عزیز تھا ضیاء الدین برفی نے لکھا ہے کہ سلطان ” محمد کی بادشاہت شروع ہوتے ہی اسلام کا بول بالا ہو گیا - اول اول چالیس دن تک سلطان تغلق آباد میں رہا - جہاں وہ پہلی بار تخت نشین ہوا - بعد میں تغلق آباد سے نکل کر دہلی کے اندر آ گیا - دہلی قدیم زمانے سے پایۂ تخت چلا آتا تھا - وہاں پہونچ کر دوبارہ تخت نشین ہوا اور نیک فال سمجھ کر اس تخت پر بیٹھا جس پر اس وقت تک بادشاہ بیٹھتے چلے آتے تھے - شاہی سواری پہونچنے سے پہلے شہر کو خوب سجایا گیا ، جا بجا قبیۂ بغائے گئے ، بازاروں میں گلی کوچوں میں بڑھ قیمت رنگولے اور زردوزی کپڑے بچھائے گئے ، شادیانے بچھائے گئے ، بادشاہ نے حکم دے دیا تھا کہ جب ہماری سواری شہر میں داخل ہو تو اس پر سونے چاندی کی نچھاور کی جائے - سرکاری افسر جو شاہی سواری کے ساتھ ساتھ چلیں قدم قدم پر اشرافیوں اور روپیوں کی مٹھیاں بھر بھر کر نچھاور کرتے جائیں ، کچھ تو زمیں پر بکھرتے رہیں ، کچھ محلے محلے مکانوں کی چھتوں پر پھینکتے جائیں اور کچھ تماشائیوں کی گودوں میں ڈال ڈال دیں - حکم کی تعمیل کی گئی - ادھر بادشاہ کی سواری بھاؤں دروازے سے گزر کر محل سرا میں پہونچی - ادھر سلطنت کے اراکین نے چوہاتھیوں پر سوار شاہی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اشرافیوں اور روپیوں سے مٹھیاں بھر بھر کر پھینکتی شروع کر دیں - ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ سونے چاندی کا مینہ برس رہا ہے۔ سب آدمی بدھے ہوں یا بچے، جوان ہوں یا ادھیڑ، آزاد ہوں یا غلام، مسلمان ہوں یا ہندو، دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے تھے، بادشاہ کو دعائیں دیتے جاتے تھے اور اسکی تعریف کے گیت گاتے جاتے تھے۔ اسوقت کا سما دیکھنے کے قابل تھا۔ شہر کیا تھا ایک چمن تھا جس کی زمین چاروں طرف سے زرد اور سنوید پیول اگل رہی تھی۔ آسمان سے بھی پیول برس رہے تھے اور زمین پر بھی رنگ برنگ کے غلچے کھل رہے تھے۔ کلیاں چٹک رہی تھیں۔ ایسی بخششیں تو کسی بادشاہ کے عہد میں آج تک نہ ہوئی تھیں۔ اس کی بدولت غریب اور محتاج ہمیشہ کے لئے دولت مند ہو گئے، اور بدھے نئے سرے سے جوانی کا دم بزنے لگے۔ نا امیدوں کو پھر امیدوں کا سبز باغ نظر آنے لگا۔ زندگی جو بے لطف ہو گئی تھی پھر مزا دینے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین تو زمین آسمان بھی اس امتیازی ہوی دولت کے نشے میں جھوم رہا ہے۔ دہلی کا وہ کونسا گھر تھا جس میں بادشاہ کے آنے کی خوشیاں نہ مٹائی گئیں ہوں۔ جس میں دھولک نہ کپڑے کی ہو، اور دف نہ بجایا ہو۔ اور وہ کونسا مقام تھا جس کے رہنے والوں نے مرد ہوں تو عورتیں ہوں تو بادشاہ کے جیلے کی دعایں نہ کی ہوں۔“

تخت نشینی کے روز سلطان محمد نے ملکی اور فوجی عہدوں پر نئے نئے تقور کئے، اور نئے عہدے داروں کو خطاب بھی دیئے۔ آپے چچا زاد بھائی ملک فیروز کو نائب باریک بلا دیا۔ ملک بیدار خلجی کو لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور قدر خاں کا خطاب دیا۔ قوام الدین قتلغ خاں کو وکیلدر بنایا۔ ملک مقبول کو سلطنت کا وزیر مقرر کیا اور عماد الملک کا خطاب دیا۔ احمد بن ایاز کو گجرات کا سپہ سالار بنایا، اور خواجہ جہاں کا خطاب دیا۔ ملک مقبل کو گجرات کا حاکم بنایا، اور خاں جہاں کا خطاب دیا۔ قتلغ خاں کے بیٹے محمد کو گجرات کے صوبے میں جاگیر دار بنایا، اور ملک شہاب الدین ایاز خاں کو نوساری میں جاگیر بخشی۔ محمد بن قتلغ خاں کو الپ خاں کا خطاب دیا، اور ملک شہاب الدین کو ملک التجار کا۔ ملک خرم کو ظہیر الجیوش کا خطاب دیا، اور ملک عزالدین کو اعظم الملک کا۔ ستانوں کے چلہ پر گئے بھی اس کے حوالے [۱] کئے۔

[۱]—سفر نامے میں لکھا ہے کہ جلوس کے پہلے ہی سال سلطان محمد نے غیاث الدین بہادر کو جسے سلطان تغلق شاہ بنگال سے قید کر کے لایا تھا اور جو اس وقت تک دہلی میں قید تھا

سلطان محمد نے بھائیوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا۔ بڑی عطا و سخا کی۔ علاوہ ملک فیروز کے جو چچا زاد بھائی تھا، سلطان محمد کے سات بھائی تھے۔ بہرام خاں، ظفر خاں، نصرت خاں، محمود خاں، مبارک خاں اور مسعود خاں۔ محمود خاں، ظفر خاں اور نصرت خاں کا انتقال ہو چکا تھا۔ بہرام خاں کو سلطان محمد نے بلکال میں حکومت بخشی اور مبارک خاں کو دیوان عدالت کا سردار بنایا، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ ”مسعود خاں پر سلطان محمد کو بغاوت کا شبہ ہو گیا تھا۔ جب اُس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تو سلطان نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔“ لیکن یہ قتل تخت نشینی سے تقریباً بارہ سال بعد ہوا۔ سفر نامے کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے مسعود خاں پایہ تخت دہلی میں کسی بڑے عہدے پر مامور تھا۔ وہاں اس کی اتلی جمیعت اور شان تھی کہ اس کو بغاوت کی سوچھ گئی۔ سلطنت کی آزادی کی اور خود مختاری کی امنگیں دل میں اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جبکہ جمیعت بھی ہو، اور سرمایہ بھی۔ یہ دونوں باتیں مسعود خاں کو حاصل تھیں۔ جب ہی اس نے سرکشی کی تھانی اور بغاوت کے منصوبے باندھے۔

ملک فیروز پر بھی سلطان محمد بے حد مہربان تھا۔ پہلے تو اس کو ملک بنایا۔ پھر نائب باربک اور پھر باربک۔ وہ ہر ممکن طریقے سے اس کا خیال دکھتا، اس کو ترقی کے موقع دیتا، اور دل سے اس کی بہتری چاہتا تھا۔ ملک فیروز بھی اپنی اہمیت کا ثبوت دیتا رہا۔ نائب باربک کی حیثیت میں اس نے اپنی قابلیت دکھائی، اور اپنے فرائض منصبی کو بہترین طریقے سے ادا کیا تو سلطان محمد نے اسے باربک بنا دیا۔ اور جب وہ اس عہدے کا بھی اہل ثابت ہو گیا تو سلطان نے اسے عدالت خاص کا سردار مقرر کر دیا۔ پھر دہلی میں اپنی نیابت پر مقرر کر کے خود گجرات اور سندھ کی مہموں پر چلا گیا جن سے اس کو واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ غرض سلطان محمد آخر وقت تک ملک فیروز پر علمایتیں کرتا رہا۔

رہا کر دیا۔ اور رہا ہی نہیں کیا بلکہ اس کو سنار گاؤں کا حاکم بھی بنا دیا۔ اتنی احتیاط کی کہ اپنے سوتیلے بھائی بہرام خاں کو اس کا نگہبان بنا کر اس کے ساتھ ساتھ کر دیا، اور اسی غرض سے بہرام خاں کو لکھنوتی کا حاکم بنایا۔

جو بادشاہ اپنے چچا کے بیٹے پر اتنا مہربان ہو کہ اول سے آخر تک اس کا خیال رکھے، اُس پر نوازشیں کرتا رہے، اس کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کرے اور اس کا مرتبہ بھی بڑھاتا رہے، کدوں کر ممکن ہے کہ وہ اپنے باپ کی نشانیں اور سانچائیوں پر سختی کرے۔ اور ان پر بجائے مہربان ہونے کے قہربان ہو۔ جو وجہ ان بھائیوں کے حق میں قہر کرنے کی ہو سکتی تھی بعینہ وہی ملک فیروز میں بھی موجود تھی۔ اگر مبارک خاں اور بہرام خاں تخت و تاج کے دعویدار ہو سکتے تھے اور سلطان محمد کے حریف بن سکتے تھے تو ملک فیروز بھی یقیناً سلطان محمد کا حریف اور بڑا زبردست حریف تھا۔ یہ ہیں سے ثابت ہے کہ اس قسم کا خیال سلطان محمد کے دل میں ہرگز نہ تھا۔ اتنی بات ضرور تھی کہ بھائیوں پر سلطان محمد کی داد و دھن ان کی اہمیت کے مطابق تھی۔ اُس نے اپنے کسی بھائی کو ولایت اور نہایت کا اہل نہیں پایا۔ اسی سبب والی اور نائب کے عہدے اس نے کسی بھائی کو نہیں دیئے۔ ملک فیروز کو بھی نہیں دیئے۔ نہایت کا عہدہ اسے دیا تو بالکل آخر میں اور اُس وقت بھی ملک قبول اور احمد ایاز کی شراکت میں۔

سلطان محمد کے عہد حکومت میں بلکہ اُس کے عہد کے ہر دور میں، دس سالہ ہو یا پندرہ سالہ عجیب و غریب رنگ نظر آتے ہیں۔ (موخرں کا اتفاق ہے کہ شروع شروع میں اُس نے سلطنت کا بڑی خوبی سے انتظام کیا) تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ سلطان محمد کے حکم سے ہر صوبے کی آمدنی کا، اور جمع و خرچ کا علیحدہ علیحدہ حساب لگایا گیا۔ اور ہر صوبے کے والی اور متصرف اپنے اپنے محکموں کا حساب دارلسلطنت کے دیوان وزارت میں بھیجنے پر مامور ہوئے، دہلی، گجرات، مالوے، دیو گڑھ، تلنگانے، کچیلہ، دھور سندر، معبر، قرہت، لکھوتی، سنگانوں، اور سنگانوں کے صوبوں کا کل انتظام بڑی مضبوطی اور احتیاط سے کیا گیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ شروع دور میں سلطان محمد لشکر کو درست کرنے اور صوبجات کا انتظام کرنے میں مصروف ہوا۔ تھوڑے سے عرصے میں اُس نے سارے ملک کا بہت ہی اچھا انتظام کر لیا۔ دور کے صوبے ہوں یا قریب کے، دوار سندر ہو یا معبر، کچیلہ ہو یا وارنگل، لکھوتی ہو یا سنگانوں بادشاہ نے سب ہی میں ایسا بندوبست کیا جیسا کہ قریب قریب کے اضلاع میں اور دہلی کی گرد و نواح میں، کرناٹک کا علاقہ دوار سندر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعض بعض

حصوں پر تو بادشاہ نے پورا تصرف کر لیا۔ لیکن بعض حصوں کو وہیں کے راجاؤں کے حوالے کر دیا۔ راجاؤں سے ہر سال شاہی خزانے میں خراج پہونچا دینے کا وعدہ لے لے لیا۔ خراج کا روکنا کیسا؟ کسی سرکھن اور سرزور کو اتنی بھی جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ شاہی خراج کی ایک پائی ادھر ادھر کر سکے۔ سب علاقوں کے اہل کار، مقدم راجہ اور زمیندار اطاعت گزار بن کر مالگزاری، محصول اور لگان ادا کیا کرتے تھے، پایہ تخت میں ہر طرف سے اس قدر مال آتا تھا کہ بادشاہ بے غل و غش خرچ کرتا تھا اور اس پر بھی خزانے میں ذرا کمی نظر نہ آتی تھی۔

تخت نشین ہوئے ایک سال سے کچھ ہی زیادہ گزرا تھا کہ سلطان محمد کو دو ناگوار واقعے پیش آئے، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ”سلطان محمد کی تخت نشینی کو پورے دو سال بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ماورائے نہر کا حاکم داؤد خاں چغتائی کا بیٹا ترمہ شیریں خاں بڑی بھاری فوج لے کر ہندوستان فتح کرنے کی غرض سے آیا۔ لمغان اور ملتان سے ہو کر اس نے دہلی کا رخ کیا۔ راستے میں شہر شہر کو پامال کرنا اور ہر ایک پر اپنا قبضہ جمانا چلا گیا۔ جب بڑھتے بڑھتے دہلی پر جا چڑھا تو سلطان محمد نے اس سے لتنا مناسب نہ سمجھا۔ خوشامد کرنے لگا اور بڑے بڑے امور کو بھیج میں ڈال کر ترمہ شیریں سے صلح کر لی۔ صلح کرنے میں بہت مال صرف کیا۔ جس قدر دولت ترمہ شیریں نے طلب کی اسی قدر سلطان محمد کو دینی پڑی گویا یہ قہمت تھی جسکی عوض اُس نے اپنی سلطنت ترمہ شیریں سے پھر خریدی۔ ترمہ شیریں کو ملنے، مانگی دولت مل گئی تو ماسع نے اپنا لشکر اٹھا لیا اور واپس چلا گیا، مگر چلتے چلتے راستے میں لُوت [۱] مار کرتا گیا۔ گجرات میں پہونچا تو وہاں بھی لُوت مار مچائی۔ ایک عالم کے پاس کچھ مال دیکھا تو اُسے چھین لیا اور بہت سے گجراتیوں کو قیدی بنا لیا۔“ فرشتہ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان محمد کمزور اور بزدل تھا۔ لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ وہ بڑا

[۱]—ملفوظات تیموری میں جو ترمہ شیریں کا ذکر ہے وہ غالباً اسی بنا پر ہے۔ ترمہ

شیریں کی لُوت مار اس قدر زبان زدِ خلافت ہو گئی تھی کہ جب تیمور نے میرٹھا پر چڑھائی کی تو میرٹھا والوں نے بات بنائی اور کہدیا کہ یہ قلعہ ترمہ شیریں بھی فتح نہ کر سکا تھا۔ اس فقرے سے ہمارے بھی بیان کی تائید ہوتی ہے۔ ترمہ شیریں کا پانچواں حملہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔

دلیر ، نڈر اور جانباز تھا - ترمہ شہرین ہندوستان پر حملہ کرنے کی غرض سے نہ آیا تھا - وہ تو پناہ لہنے آیا تھا - مدد کا خواستگار ہو کر آیا تھا - جنگ تو اُس سے کی جاتی ہے جو جنگ کے لئے آئے - ترمہ شہرین مہمان بن کر آیا تھا - فرشتہ کا یہ بیباں کہ ” ترمہ شہرین لمغان اور ملتان سے لوٹ مار کرتا ہوا دہلی تک پہنچا “ بالکل غلط ہے ملتان میں اُس وقت بہرام ایبہ کشلو خاں جیسا بہادر اور تجربہ کار سپہ سالار موجود تھا - کیا وہ بھی ترمہ شہرین سے خوف کھا گیا ؟ اور مقابلے کو نہ نکل سکا ؟ جن لوگوں کو سلطان معتمد پر بزدلی اور کمزوری کا شبہہ ہے ان کی ذہنیت پر تعجب ہے - وہ اسی سپہوت غازی کا پوت تھا جس نے لڑ کر مغلوں کے دانت - کھتے کر دئے تھے ، اسی کی گود میں اُس نے پرورش پائی تھی اور اسی کے سائے میں بڑھا اور پلا تھا - اُس نے تو کبھی کسی دشمن کو اپنی تلوار کا مڑا چکھائے بغیر نہ چھوڑا - ترمہ شہرین کے سامنے وہ کیوں کر ہتھیار ڈال دیتا ؟

سلطان معتمد نے ترمہ شہرین کے ساتھ دوستوں کا سا برتاؤ کیا - ترمہ شہرین نے بھی دوستی کا ثبوت دیا - سلطان معتمد تک ایران و خراسان کے مغلوں کی خبریں پہنچائیں - جن کی بدولت سلطان نے ان ملکوں کی فتوحات کے منصوبے باندھے - ماورالندھر پہنچ کر ترمہ شہرین نے اپنے داماد امیر نوروز کو بہت سے مغلیہ سرداروں کے ساتھ سلطان کے دربار میں بھیج دیا - امیر نوروز اور اُس کے ساتھی دہلی پہنچ کر شاہی فوج میں شامل ہو گئے ، معلوم ہوتا ہے کہ اسی دن سے دہلی اور غزنی کا اتحاد قائم ہو گیا ، ضیاء الدین برنی نے اُس بات کی بار بار شکایت کی ہے کہ ” بادشاہ ہندوستان کے باہر غزنی میں دولت بھیجتا ہے “ - شہخ ابو بکر بن خلل بزی صوفی کا بیان [۱] ہے کہ ” سلطان معتمد نے چند آدمیوں کو تین لاکھ سونے کے سکے دے کر ماورالندھر کی طرف بھیجا - اُن آدمیوں میں میں بھی شامل تھا ... “ - اگر ماورالندھر کے مغلوں سے سلطان کا اتحاد نہ ہوتا تو وہ اپنی دولت وہاں ہرگز نہ بھیجتا - اگر ترمہ شہرین نے ہندوستان پر حملہ کیا ہوتا اور دہلی کی سلطنت کو نقصان پہنچایا ہوتا تو سلطان معتمد اسے بھولنے والا نہ تھا - موقع پا کر بجائے خراسان کے سردار ہی

پر حملہ کرنے کی تہان لیتا - اُسی کو پامال کرتا اور وہاں کے آدمیوں پر ہرگز رحم نہ کرتا - مگر رحم کھسا وہ تو ان پر برابر مہربانیاں کرتا رہا - ایسا نیک سلوک تو صرف اُس ملک کے ساتھ کیا جاتا ہے جس سے کوئی عداوت نہ ہو - عداوت کی صورت میں نیکیاں اور احسانات ناممکن ہیں - خراسان سے ہندوستان آتے ہوئے بخارا میں ابن بطوطہ ترمہ شیریں سے ملا تھا اور اس کے ساتھ رہا بھی تھا - اُس کی بابت جو کچھ ابن بطوطہ معلوم کرسکا وہ اُس نے سفر نامے میں لکھ دیا - لیکن اُس نے ترمہ شیریں کے حملے کی بابت ایک حرف بھی نہیں لکھا - حملہ کیسا؟ اُس نے تو یہ لکھا ہے کہ چغتائی مغلوں کے اور ہندوستان کے قرونہ ترکوں کے درمیان مصالحت اور اتحاد ہے -

ضیاءالدین برنی نے یہ واقعہ نہیں لکھا - لیکن اُس نے سلطان محمد کے دربار میں کثرت سے مغلوں کا آنا لکھا ہے - ترمہ شیریں بھی انہوں میں شامل تھا - ضیاءالدین برنی نے سلطان محمد کی تاریخ بڑے اختصار سے لکھی ہے - صرف مشہور مشہور واقعات کا ذکر کیا ہے ، اور ان کے بھی اسباب بیان نہیں کئے اور تم کا پتہ نہیں دیا - ترمہ شیریں کا آنا ایک پیچیدہ مضمون تھا ، جس کے لئے بڑی تفصیل کی ضرورت تھی - اس سبب نظر انداز کر گیا - اس کے نظر انداز کردینے سے نہ ضیاءالدین برنی کے مقصد میں کوئی کمی واقع ہوئی نہ تاریخ فیروز شاہی میں نقص آیا - تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ضیاءالدین برنی نے یہ واقعہ سلطان فیروز شاہ کے خیال سے نہیں لکھا - لیکن یہ بات قابل قبول نہیں - تاریخ فیروز شاہی میں ضیاءالدین برنی نے سلطان محمد کے عیب ایک ایک کر کے بیان کئے ہیں اور اس کی پرحمیاں دل کھول کر لکھی ہیں - ترمہ شیریں کے متعلق ایک بات بھی ایسی نہ تھی جس کا چھپانا لازمی ہوتا - اُس نے تو غزنی کے قریب ایلخانی مغلوں سے شکست کھائی تھی اور شکست کھا کر سیدھا ہندوستان چلا آیا تھا -

ترمہ شیریں چلا گیا تو سلطان محمد کو ایک بغاوت کی خبر ملی - یہ بغاوت سلطان کے پھوپھی زاد بھائی بہالدین گشتاسپ کی تھی جو ساگر میں ہوئی - سفر نامے میں لکھا ہے کہ ”سلطان تغلق نے بہالدین گشتاسپ کو کسی علاقے کا حاکم مقرر کر دیا تھا ، جب اس کا ساموں مر گیا تو اس نے سلطان محمد کی بھمت سے انکار کر دیا - یہ شخص بڑا بہادر تھا ، بادشاہ نے

ملک متجہر کی اور (خواجہ جہاں کی مانعہ دہی میں اس کی طرف ایک لشکر بھجوا) بہا الدین نے شاہی لشکر کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی - اور راے کمپہلہ کے ملک میں بھاگ گیا - شاہی فوجوں نے بہا الدین کا تعاقب کیا اور کمپہلہ کا سختی سے محاصرہ کر لیا - جب راجہ کے پاس ذخیرہ ختم ہو گیا اور اُسے گرفتار ہو جانے کا خوف ہوا تو اس نے بہا الدین کو بلا کر کہا ”تمہارے سبب میں ہلاکت میں پڑ گیا خیر - میں نے تو تمہارا لی ہے اپنی جان پر کھیل جاؤنگا اور اپنے پیادوں کو بھی قربان کردونگا بہتر ہے کہ تم دوسری ریاست میں چلے جاؤ“ یہ کہہ کر راجہ نے بہا الدین کو دوسری ریاست میں پہونچا دیا اور اپنے لئے ایک بڑی آگ جلوائی اور اپنا تمام مال و اسباب اسمیں ڈالوا دیا پھر اپنی بھٹیوں اور عورتوں سے کہا ”میں تو اب آگ میں جل کر خاک ہو جاؤنگا تم میں سے جس کو مہری موافقت کرنی ہو کرے“ - راجہ کی تقریر سن کر سب عورتیں مرنے پر تیار ہو گئیں - ایک ایک عورت غسل کرتی تھی اور صندل مل مل کر راجہ کے سامنے زمین چومتی اور آگ میں کود پڑتی - راجہ کے بہت سے امیر اور وزیر بھی جل کر مر گئے - پھر خود راجہ نے مرنے پر کمر باندھ کر غسل کیا ، صندل ملی اور ہتھیار باندھے - مگر زرہ نہ پہنی اور اپنے چند سپاہیوں کو لے کر بادشاہ کے لشکر پر جا پڑا - جب سب مر کھپ گئے تو کمپہلہ پر سلطان معتمد کا قبضہ ہو گیا اور شاہی فوجیں اُس علاقے میں داخل ہو گئیں - بہا الدین نے جہاں پناہ لی تھی وہاں کے راجہ نے بہا الدین کو پکڑ کر شاہی لشکر کے حوالے کر دیا - بہا الدین کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈالی گئیں اور اسی ہیئت سے اس کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا - بادشاہ نے پہلے اُسے عورتوں میں بھجوا کر ذلیل کرایا - پھر اُس کی کھال کھچوا ڈالی اور اس میں بھوسا بھروا کر غیاث الدین بھادر کی کھال کے ساتھ سارے ملک میں گھمایا - بہا الدین کے گوشت کے دو حصے کئے گئے - ایک حصہ تو چاروں میں پکوا کر اس کے گھر بھیج دیا اور دوسرا سہنی میں رکھ کر ایک ہتھلی کے سامنے رکھ دیا جسے اُس نے بھی نہ کھایا -

غیاث الدین برنی نے بہا الدین گشتاسپ کی بغاوت کا بالکل ذکر نہیں کیا - تاریخ مبارک شاہی میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ”(پایہ تخت کی تبدیلی کے [۱] بعد سنہ ۷۲۷ھ کے آخر میں ملک بہا الدین گشتاسپ بخشی فوج

نے ساگر میں بغارت کی - بادشاہ نے خواجہ جہاں کو ایک بڑے لشکر کا سردار بنا کر بہالدین کی سرکوبی کی فوج سے روانہ کیا - جب خواجہ جہاں وہاں پہونچا تو بہالدین گشتاسپ اپنی جمعیت لے کر مقابلے پر آیا اور جان توڑ کر لڑا مگر کچھ نہ بنا - مغلوب ہو گیا - ہندوؤں نے اسے گرفتار کر لیا - اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا - بادشاہ نے اسے قتل کرا دیا [۱]“

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ بہالدین گشتاسپ کی لگائی ہوئی آگ بجھ گئی تو سلطان محمد کو خیال آیا کہ بہت سے علاقے مہری سلطنت میں شامل ہیں - مہرا پایہ تخت ایسی جگہ ہونا چاہئے جو سلطنت کے بیچ میں ہو - ہر مقام سے فاصلہ برابر ہو تاکہ ہر طرف سے خبریں پایہ تخت میں برابر پہونچا کریں - اگر کسی علاقے میں کوئی واردات ہو جائے یا کوئی آفت آجائے یا کوئی وبا پھیل جائے تو جلد اس کا تدارک ہو سکے - مشہوروں اور وزیروں کو ملک کے گوشے گوشے سے واقفیت تھی - انہوں نے اچین کو تجریز کہا اور کہا کہ اچین طول و عرض کے اعتبار سے ہندوستان کے بیچ میں واقع ہے - ہر ماچیت کھتری نے بھی اسی وجہ سے اس کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا مگر بادشاہ کی خواہش یہ تھی کہ دیو گڑھ پایہ تخت بنے - دیو گڑھ کی طرف بادشاہ کا میلان دیکھ کر بعض وزیروں نے کہہ دیا - ”دیو گڑھ ہندوستان کے بیچ میں واقع ہے اسی کو پایہ تخت بنایا جائے“ -

بہالدین برنی کا بیان ہے کہ ”سلطان محمد نے یہ خیال کیا کہ اور شہروں کی نسبت دیو گڑھ سلطنت کے بیچ میں ہے، دہلی، گجرات، لکھوتی، ستگانو، سمارگانو، تلنگ، معبر، دھور، سندور اور کمپہلہ سے دیو گڑھ تک فاصلہ قریب قریب برابر ہے - خیال کا دل میں آنا تھا کہ بغیر مشرورہ کٹے اور بغور نفع نقصان سوچے بادشاہ نے دہلی جہسے پایہ تخت کو جو ایک سو ساٹھ یا ایک سو ستر برس میں کہیں خدا خدا کر کے آباد ہوا تھا اور اب واقعی ایک بڑا وسیع شہر ہو گیا تھا اور بغداد اور مصر کا ہم پلہ تھا ویران اور برباد کر دیا، اور شہر کے ساتھ ہی ساتھ اس کی سراں کو بھی مٹا دیا اور چار چار پانچ پانچ مہل کی نواح میں جتنی بستیاں تھیں ان کا نام

[۱]—یعنی بن احمد نے غلطی کی ہے - قرینے بتاتے ہیں کہ ملک بہالدین گشتاسپ کی بغارت پایہ تخت کی تبدیلی کے بعد ہوئی پہلے نہیں ہوئی جیسا تاریخ مبارک شاہی میں لکھا ہے -

نشان بھی نہ چھوڑا - یوں سمجھو کہ دہلی میں اور دور دور تک اس کی گرد و نواح میں کتے بلیاں تک نہ رہیں - سب دہلی والوں کو مع ان کے قبیلوں کے، عورتوں کے، بچوں کے اور غلاموں کے دیو گڑھ روانہ کر دیا - لوگ تو مدتوں دہلی میں رہتے رہتے اس کی سر زمین سے مانوس ہو گئے تھے - دور دراز کے سفر کی مشقتیں نہ چھیل سکے، راستے میں مر مر گئے جو بیچ کر دیو گڑھ پہنچے بھی انہیں وہاں کی سر زمین نہ بھائی - ان کا دل دہلی ہی میں پڑا رہا - آخر وہیں مر کہپ گئے - دیو گڑھ جیسے قدیم کنرستان میں ہر طرف مسلمانوں کے قبرستان نظر آنے لگے - اگرچہ دہلی سے روانہ کرتے وقت بادشاہ نے رعیت پر بہت کچھ انعام اکرام کیا اور جب دہلی والے دیو گڑھ پہنچے تو اس وقت بھی ان پر بڑی فیاضیاں اور بخششیں کیں، مگر بخششیں اور فیاضیاں ان کے کس کام کی تھیں؟ ان کی تو جانوں پر آ بلی تھی - کچھ تو سفر کے دوران میں ختم ہو گئے اور کچھ دیو گڑھ پہنچنے کے بعد مر گئے - بہت ہی کم ایسے تھے جنہیں پھر جان کی سلامتی میں دہلی آ کر وھنا نصیب ہوا - اُس دن دہلی کا شہر جو ساری دنیا کے شہروں کی ناک تھا برباد اور ویران ہو گیا -“

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سلطان معتمد کی اس حرکت پر کہ اُس نے دہلی کے کل باشندوں کو شہر سے نکل دیا بہت ہی ملامت کی جاتی ہے - سبب یہ تھا کہ لوگ خطوں میں گالیاں لکھ لکھ کر رات کو بادشاہ کے دیوان خانے میں ڈال جایا کرتے تھے - بادشاہ اُن خطوں کو پڑھ پڑھ کر دل ہی دل میں گھٹتا تھا - آخر اُس نے لوگوں کو سزائیں دینے اور شہر سے نکال دینے کی تہان لی - اس نے لوگوں کے مکان خرید لئے اور مکانوں کے مالکوں کو قیمتیں دے دے دیں - پھر حکم دیا کہ تین دن کے اندر سب لوگ شہر خالی کر کے دولت آباد کی طرف روانہ ہو جائیں - اس حکم کی بہتوں نے تو تعمیل کی - دہلی چھوڑ چھوڑ کر وہ دولت آباد کی طرف چلے گئے، مگر بعض اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھے رہے - بادشاہ نے تلاش کرایا تو ایک گلی میں سے دو آدمی نکلے - ایک اندھا تھا اور دوسرا لولا - ان دونوں کو پھش کیا گیا تو بادشاہ نے لولے کو منجھوق سے ازا دیا - اور اندھے کے لئے حکم دیا کہ دہلی سے دولت آباد تک اسے گھسیٹ کر لے جائیں - دہلی سے دولت آباد تک چالیس دن کا راستہ تھا - اندھا کہاں تک گھسیٹتا؟ راستے میں اس کے بدن کے تکتے تکتے ہو گئے -

صرف ایک پانوں دولت آباد پہنچا - لوگوں نے یہ حال دیکھا تو وہ اپنا مال اسباب چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے - شہر سلساں ہو گیا - ایک معتبر آدمی نے منجھ سے بیان کیا کہ ایک رات بادشاہ محل کی چھت پر چڑھا - جب شہر کی طرف سے نہ دعواں اٹھتا دیکھا نہ چراغ جلتا نظر آیا تو بولا ”مہرا جی اب تھنڈا ہوا“ - پھر اور شہروں کے باشندوں کو حکم دیا کہ دہلی میں آن کر رہیں - نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شہر بھی برباد ہو گئے اور دلی آباد نہ ہوئی -

ابن بطوطہ کی یہ روایت بے سروپا ہے - اس نے کسی راوی کا حوالہ نہیں دیا - معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں اس نے دہلی کے بازار میں اس وقت سنیں جبکہ سلطان محمد بدنام ہو گیا تھا - کرنیل ہیگ نے ابن بطوطہ کی اس روایت کو کہ بادشاہ نے دہلی والوں کے گالوں سے بھرے ہوئے خطوں کو دیکھ دیکھ کر ان سے دہلی خالی کرائی صحیح مانا ہے - لیکن انہوں نے اس بات کا احساس کر لیا ہے کہ مورخوں کے بیانات اس بادشاہ کے متعلق بے ترتیب ہیں اور بے ترتیبی کے سبب سلطان محمد کی تاریخ بدنام ہو گئی ہے - بدنامی کو ایک حد تک صاحب موصوف نے دور کیا ہے - لکھا ہے کہ ”بعض مورخوں نے سنہ ۱۳۲۹ع کے واقعے کو سنہ ۱۳۲۷ع کے واقعے سے خلط ملط کر دیا ہے - ان کا قول ہے کہ سنہ ۱۳۲۷ع میں بادشاہ نے دہلی کی ساری خلقت کو زبردستی نکال دیا - مگر یہ غلط ہے - سنہ ۱۳۲۷ع میں صرف سرکاری دفتر بھیجا گیا تھا - اور خاص خاص امیر اور سردار دولت آباد آئے تھے - سنہ ۱۳۲۹ع میں سب دہلی والے جبراً بھیجے گئے - یہ کسی سیاسی مصلحت یا انتظامی ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس سبب کہ بادشاہ دہلی والوں سے ناراض ہو گیا تھا - سزا دینے کی غرض سے اُس نے انہیں تکلیف میں ڈالا“ -

مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سزا دینے کا شگوفہ ابن بطوطہ نے نکالا ہے - سلطان محمد دہلی والوں سے بھلا کیوں ناخوش ہوتا؟ اور ناخوش ہوتا بھی تو دہلی والے بچوں اور نادانوں کی طرح سے گالیاں لکھ لکھ کر قلعے میں کیوں ڈالنے لگے تھے؟ اور بالفرض ایسا ہوتا بھی تو سلطان پہلے معاملے کی تحقیق کرتا - خطوں کی عبارتیں پڑھتا - ان پر غور کرتا - اور طرز تحریر سے لکھنے والوں کا پتہ چلا لیتا - خط لکھنے والے ہوں گے کتنے؟ سفر نامے سے کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن یہ یقینی ہے کہ دہلی کے کل باشندے ایک دم ایسے خط

نہیں لکھ سکتے تھے - پھر کل باشندوں کو کیوں کر سزا دی جاسکتی تھی ؟ - سلطان محمد شریعت کا عالم تھا اور عادل ہونے کا دھوی کرتا تھا وہ جزو کے سبب کل کو کیوں کر قصور وار ٹھہرا سکتا تھا ؟ اور معدودے چند کی وجہ سے ہزاروں کو کیوں کر ہلاک کر سکتا تھا ؟ یہ بات تو سراسر عقل کے خلاف ہے اور شریعت کے خلاف بھی - ابن بطوطہ کی روایت سے یہ بھی نہیں کہلتا کہ سلطان محمد مسلمانوں سے ناخوش ہوا تھا یا ہندوؤں سے اور اس نے جلا وطنی کی سزا دی تو صرف مسلمانوں کو دی یا ہندوؤں کو بھی - تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ اس بارے میں جتنی تکلیفیں پڑیں مسلمانوں پر پڑیں - عالم غربت میں انہیں کا مرنا اور کفرستان میں انہیں کی قہزین بننا لکھا ہے - سلطان محمد ہندوؤں سے ناخوش نہ تھا - وہ انہیں کیوں جلا وطن کرتا ؟ ان سب کو جلا وطن کرنا ممکن بھی نہ تھا - کل مسلمانوں کا بھی دہلی سے منتقل کر دینا مصلحت کے خلاف تھا - اگر دہلی مسلمانوں سے خالی ہو جاتی اور فوجیں بھی نہ رکھیں تو وہاں مغلوں کے حملے کا اور ہندوؤں کے فساد کا اندیشہ تھا - قرینے بتاتے ہیں کہ ابن بطوطہ کی یہ روایت بے سروپا ہے اور لطف یہ ہے کہ اُس نے کسی راوی کا حوالہ بھی نہیں دیا - معلوم ہوتا ہے کہ یہ افیموں کی بو تھی جسے ابن بطوطہ نے دہلی کے بازاروں میں سن لیا - جیسا سنا ویسا ہی لکھ دیا - ہمارے نزدیک نہ سلطان محمد دہلی والوں سے ناخوش ہوا تھا ، نہ اس نے انہیں سزائیں دیں ، نہ سب کو دولت آباد بھیجا -

’ ضیاء الدین برنی اور ابن بطوطہ دونوں ہم عصر ہیں مگر دونوں میں سے ایک بھی نہیں بتاتا کہ پایہ تخت کی تبدیلی کس طرح سے ہوئی - ایک دم ہوئی یا رفتہ رفتہ - ملا بدایونی جو ہم عصر نہیں ہے لکھتا ہے کہ پایہ تخت کی تبدیلی رفتہ رفتہ عمل میں آئی - پہلی مرتبہ سلطان محمد اپنے گھر بار کو اور امرا و اراکین کو لے گیا - امرا بھی اپنے گھر والوں کو لہتے گئے - دوسری مرتبہ باقی دہلی والوں کو دولت آباد جانے کا حکم ہوا - حاجی الدبیر نے تو صرف امرا اور اراکین کا چانا لکھا ہے - کل آبادی کا منتقل ہونا لکھا ہی نہیں - ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ دہلی میں کتے بلہاں بھی نہ رہیں بالکل بے معنی ہے -

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضیا الدین برنی اور ابن بطوطہ نے آخر کیوں غلط بیانیوں کیں؟ جواب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ان دونوں میں سے کسی نے بھی جھوٹ نہیں لکھا۔ انہوں نے اپنی قلم سے جو کچھ لکھا سچ جان کر لکھا مگر اصلیت اور حقیقت کو سمجھنا اور واقعات کی تہ تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ ضیا الدین برنی سلطان محمد ہی کو نہ سمجھ سکا اس کی حکمت عملی اور سیاست ملکی کو کیوں کر سمجھ سکتا تھا؟ ابن بطوطہ اس واقعے کے بہت بعد ہندوستان میں آیا اور جب آیا تو سلطان محمد بدنام ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں سلطان کو کیا کچھ نہ کہا جا رہا ہوگا؟ ابن بطوطہ کو تحقیق کی نہ فرصت تھی نہ ضرورت۔ وہ خود سلطان محمد سے بھڑا ہو گیا تھا۔ اسی سبب اس نے ملازمت ترک کر دی تھی۔ اس کی جان کے لالے پروگئے تھے۔ خدا خدا کر کے جان بچی اور جوں توں کر کے ہندوستان سے نکلا تو مصیبتوں اور مجبورریوں [۱] پر بھی سلطان کو منہ نہ دکھایا ایسی حالت میں سلطان محمد کے متعلق بہترین واقعات انہیں سہاحوں کو ہوسکتی تھی جو صرف خبریں حاصل کرنے اور نئی باتیں معلوم کرنے کی غرض سے ہندوستان میں آئے تھے۔ اور وہاں جو کچھ دیکھتے یا سنتے وہ لکھ لکھ کر مصر لے جاتے۔ انہیں میں سے ایک سراج الدین شہابی ہے اس نے لکھا ہے کہ ”سلطان محمد کا اصلی منشا دہلی کو ویران کرنا نہ تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ دیو گڑہ بادشاہت کا صدر مقام بنے اور دہلی وزارت کا“۔

سلطان محمد دیوگڑہ کو اپنی بادشاہت کا صدر مقام بنا چکا تو اس نے کدھانے کا علاقہ فتح کیا۔ ضیا الدین برنی نے تو فتوحات کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ ”شروع شروع میں بادشاہ نے کئی علاقے فتح کئے“۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ”جب بہا الدین سے کراغت ہو گئی تو بادشاہ کدھانہ فتح کرنے کی غرض سے دولت آباد سے نکلا۔ کدھانہ خہر کی نواح میں ہے۔ ناک نائک کوہوں کا سردار کدھانے کا حاکم تھا۔ کدھانے کا قلعہ پہاڑ پر واقع ہے اور بڑا مستحکم اور مضبوط ہے۔ اس کا فتح کر لینا کوئی آسان

[۱]—ابن بطوطہ چین کی سفارت پر گیا تھا۔ راستے میں جہاز ٹوٹ گئے اور شاہی تحفے فرق ہو گئے۔ ابن بطوطہ کو چاہئے تھا کہ سلطان محمد کے پاس جاکر سفارت کی ناکامی کا حال سنانا۔ اس کے دل میں یہ بات اٹھ رہی تھی مگر سلطان محمد سے برگشتہ ہو چکا تھا اس سبب نہ کیا۔

کام نہیں - بادشاہ آتھم مہینے تک کندھانے کا محاصرہ کئے رہا - آتھم مہینے کے بعد ناک نائک نے قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا - اور اماں کا خواستگار ہوا - بادشاہ نے اس کو اپنے امیروں میں داخل کر لیا - فتح پاکر بادشاہ خوشی خوشی دولت آباد میں واپس آیا -

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کندھانے کی فتح بہا الدین گشتاسپ کی بغاوت ہی کے بعد نہیں ہوئی بلکہ دارالسلطنت کے دیو گڑھ منتقل ہو جانے کے بعد - سلطان محمد دیو گڑھ کو دولت آباد بنا چکا تو پونا کے قریب کندھانے [۱] پر جا چڑھا - دولت آباد سے ہی فوجوں لے کر نکلا تھا اس سبب فتح ہو گئی تو دولت آباد ہی واپس ہوا - (یہاں پہونچ کر اس نے خراسان پر چڑھائی کرنے اور مغلستان کو خاک میں ملانے کی کوششیں شروع کر دیں - اور پونے چار لاکھ کا ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا -

لشکر علاوہ ان فوجوں کے تھا جو پہلے سے چھاونیوں میں موجود تھیں غرض خرچ دگنا دگنا ہو گیا) خیال کیا جاتا ہے کہ اس سبب سے بادشاہ نے ایک ترکھب کی - (بجائے چاندی کے تانبے کی مہریں چلا دیں - ضہا الدین برنی نے لکھا ہے کہ ”سلطان محمد نے خرید فروخت کے معاملات میں دخل اندازی کی اور تانبے کی مہریں چلا دیں - اُس نے ساری دنیا کی فتح کا ارادہ کیا تھا - جس کے لئے بہت بڑے لشکر کی ضرورت تھی - اتنا بڑا لشکر بے شمار دولت کے بغور کیسے جمع ہو سکتا تھا؟ خزانے میں تو ادھادھند بخششوں کے سبب پہلے ہی کمی ہو گئی تھی - مجبور ہو کر سلطان محمد نے تانبے کی مہریں چلا دیں - حکم دے دیا کہ جس طرح لین دین میں چاندی سونے کے سکے چلتے ہیں اسی طرح اب تانبے کی مہریں چلا کریں - (نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے گھر گھر تھکسالوں بنا لیں - اور شہر شہر کے ہندوؤں نے لاکھوں اور کروڑوں تانبے کی مہریں گھڑ لیں - انہیں کو وہ خراج میں دیتے اور انہیں کے بدلے اچھے اچھے گھوڑے اور ہتھیار خریدتے - شہری اور دھاتی ہندو، مقدم، خوط وغیرہ بڑے روپے والے ہو گئے مگر سلطنت میں کمزوریاں پیدا ہو گئیں) کچھ عرصے کے بعد دور دور کے صوبوں میں لوگوں نے ان تانبے کی مہروں کو چاندی کے عوض لینے سے انکار کر دیا - ایک

سنہری تِلکے کا بھاو تانبے کے سو تِلکوں کے برابر ہو گیا اور ہر سنار اپنے گھر میں تانبے کے سکے بنانے لگا۔ تانبے کی مہروں سے خزانہ بھر گیا۔ اور ان کی ایسی بے قدری ہوئی کہ وہ تھیکریوں اور کلکریوں کے برابر سمجھے جانے لگے۔ پرانے چاندی کے سکے کی قیمت چوگنی بیچ گئی ہو گئی۔ جب چاروں طرف خرابی پڑ گئی تو بادشاہ جز بز ہوا۔ حکم دیا ”کہ جس جس کے پاس تانبے کی مہریں ہوں خزانے میں لے آئے اور ان کے بدلے چاندی کے سکے لے جائے“ یہ حکم سوتے ہی ہزاروں آدمی جن کے گھروں میں تانبے کے سکے دھیر کے دھیر پڑے ہوئے تھے لے لے کر خزانے میں آ گئے۔ اور تانبے کے ہر سکے کے عوض شش گانی اور دوگانی بلکہ روپولی اور سنہری تِلکے لے لے گئے۔ اس طریقہ سے اتنے تانبے کے سکے خزانے میں آئے کہ تغلق آباد میں پہاڑ کی طرح اونچے اونچے دھیر لگ گئے۔ خزانے میں بڑی کمی ہو گئی۔ اس سبب سلطان محمد کا دل رعایا کی طرف سے ہٹ گیا، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ”جب سلطان محمد کو یہ خیال آیا کہ سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کر لے اور اس بڑے کام کے لئے اپنے لشکر کو اور خزانے کو اس نے کافی نہ پایا تو اس نے اپنا مقصد پورا کرنے کی غرض سے تانبے کے سکے چلا دیئے۔ حکم دیا کہ جس طرح چین کے ملک میں چاؤ چلتا ہے اسی طرح ہندوستان میں بجائے سنہری اور روپولی تِلکوں کے تانبے کے سکے چلائے جائیں معمولی خرید فروخت میں بھی تانبے ہی کے سکے کام آئیں۔ چاؤ اصل میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا تھا جس پر چین کے بادشاہوں کا نام اور لقب نقش کر دیا جاتا تھا، چین کے بازاروں میں بجائے اشرفیوں اور روپیوں کے چاؤ ہی چلتا تھا، لیکن ہندوستان میں چین کی سی بات نہ بن سکی، مختلف صوبوں میں ہندوؤں نے تانبے کے سکے بنانے شروع کر دیے اور اس کثرت سے بنائے کہ اور سب سکوں کی جگہ تانبے کے سکے ہی نظر آنے لگے۔ تانبے کے سکے لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہندوؤں نے اپنے پاس جمع کر لئے۔ انہیں کو بازار میں چلائے اور انہیں کے ذریعے بڑی بڑی قیمتیں ادا کر کے ہتھیار مول لیتے اور قسم قسم کی چیزیں خرید کر تجارت کی غرض سے دور دور بھیجتے۔ انہیں کے ذریعے سونے چاندی کے تِلکے بھی خرید لیتے۔ کچھ عرصے تو یہی حال رہا۔ آخر میں دور دور کے صوبوں نے تانبے کے سکوں کو لہنے سے انکار کر دیا اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ تانبے کے سکے بالکل بے قدرے

ہو گئے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ پچھتایا۔ مجبور ہو کر حکم دیا کہ جس کسی کے پاس تانبے کے سکے ہوں وہ انہیں خزانے میں داخل کر دے اور ان کے عوض سونے چاندی کے سکے لے آئے۔ بادشاہ کو خیال تھا کہ شاید اسی طریقے سے تانبے کے سکے کی وقعت بڑھ جائے اور وہ پھر رواج پاجائے مگر لوگوں نے تو تانبے کے سکوں کو مٹی کے ڈھیلوں اور کنکروں کی طرح اپنے گھروں میں ڈال رکھا تھا۔ وہ ڈھیر کے ڈھیر اٹھا کر خزانے میں لے آئے اور ان کے بدلے سونے چاندی کے سکے لے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خزانہ خالی ہو گیا۔ تانبے کے سکوں کی بے قدری تو جیسوی تھی ویسی ہی رہی، اوپر سے سلطنت میں بڑی کمزوریاں پیدا ہو گئیں۔ رخنہ پڑ گیا۔“

کرنہل ہیگ نے تاریخ فیروز شاہی کی بنا پر لکھا ہے کہ ”سلطان معتمد کے دماغ میں ساری دنیا فتح کرنے کا خبط سما گیا تھا اس وجہ سے اس کو بے شمار دولت کی ضرورت ہوئی۔ اس نے بلا سوچے سمجھے یہ حکم جاری کر دیا کہ تانبے اور پیتل کے سکے سونے چاندی کے بدلے چلائے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں جعلی سکے بننے لگے۔ صرف تین چار سال تک تانبے کے مصنوعی سکے چلے۔ بارے سلطان نے جلدی اپنی فطرتی کا احساس کر لیا اور تانبے کے تمام سکے واپس لے لئے۔ مگر اس کو تانبے کے عوض چاندی دینی پڑی اور تانبے کے سکوں کے پہاڑ لگ گئے جو سو برس بعد تک تغلق آباد میں دیکھے گئے۔“

اندورہ طامس کی رائے مختلف ہے۔ اس کے نزدیک ”سلطان معتمد دھاتوں اور سکوں کے علم کا امام تھا۔ سلطان کو معلوم تھا کہ کئی صدی پہلے سے چین میں کانڈ کا نوت چل رہا ہے۔ چین کی پیروپی اب سے قریب قریب سو برس پہلے ایران کے بادشاہ کھخانو خان نے بھی کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ایران میں چار کھوں کر جاری ہوا اور کھوں ناکام رہا۔ وہ تبریزی چار کی ناکامی سے اور کھخانو خان..... کی بدنیتی سے خوب واقف تھا۔ لالچ اس کی طبیعت میں نام کو نہ تھا۔ اس نے کھخانو خان کی بڑی مثال سے قطع نظر کر کے چینی اصول پر کار بند ہونا چاہا تاکہ سلطنت کے اعتبار پر کارو بار چلے مگر اس میں وہ ناکام رہا۔ وجہ یہ تھی کہ سرکاری تیکسال میں تھپہ لگانے کے لیے مخصوص آلے نہ تھے جو آلے سرکاری اہل کاروں کے پاس تھے، وہی

ہر سناہ کے پاس موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے آسانی سے نانہیہ کے پھوسوں پر تھوڑے لگائے شروع کر دیے۔“

پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ ”کچھ عرصے سے دنیا میں چاندی کی کمی ہو گئی تھی۔ ہندوستان میں چاندی کی کمی محسوس ہوئی تو دہلی کی سلطنت بہت وسیع ہو چکی تھی اور جس قدر وسیع ہو گئی تھی اُسی قدر سکوں کی ضرورت بڑھ گئی تھی۔ چاندی زیادہ مقدار میں درکار تھی۔ چاندی کی کمی ایک تو اُس وجہ سے تھی کہ لوگ چاندی کے گہلے زیادہ بلوانے لگے تھے۔ گھر کے استعمالی برتن بھی اکثر چاندی کے بنائے جاتے تھے اور دوسرے چاندی ہوتی بھی کم تھی۔ ہندوستان کے باہر بھی ملک ملک میں چاندی کا قحط تھا۔ ٹرانسلوینیا (Transylvania) سیکسل (Saxony) ہسپانیہ (Spain) میں چاندی بہت کم پائی جاتی تھی۔ انگلستان، مصر، جاپان، فلانڈرز (Flanders) ایران اور اسکاٹ لینڈ (Scotland) میں بھی یہی حالت تھی۔ سلطان محمد کو یہی مشکل پیش آئی۔“

اصلیت کچھ ہو۔ اتنا یقینی ہے کہ ضیاء الدین برنی کے بیان میں بڑا مبالغہ ہے۔ سلطان محمد پر خزانہ خالی کر دینے کا الزام لگایا نہیں جاسکتا۔ اُس کا خیال پاکیزہ تھا۔ اور اس کی ترکھب درست تھی۔ ممکن ہے کہ اُس کو ایک بڑا لشکر فراہم کرنے کی ضرورت نے آمدنی بڑھانے کی تدبیریں سنجھائی ہوں اور جس طریقے سے آج کل گورنمنٹ رعایا سے قرض لیتی ہے اور قرضے پر سود ادا کرتی ہے سلطان محمد نے بھی ایسا ہی سوچا ہو۔ [۱] یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ سلطان محمد کا خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ یا رعیت کو مغس کرنے یا سرکاری خزانہ بھرنے کی غرض سے اُس نے نانہیہ کے سکے چلائے تھے۔ خزانہ پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا اگر بھرا ہوا نہ ہوتا تو دو سال بعد جب یہ طریقہ ناکام ٹھہرا اور بادشاہ نے ایسا حکم منسوخ کیا،

[۱]—نانہیہ کی مہریں کتنی بنائیں گئیں، اور کتنی چلائی گئیں، اس کا کچھ ذکر تاریخ میں نہیں ملتا درایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہریں بے حد اور بے شمار نہ تھیں۔ اندازے سے بنائی گئی تھیں اور اندازے سے چلائی گئی تھیں۔ خزانہ بھر پور تھا۔ نانہیہ کی مہروں کا سلطان محمد کے حکم سے چلنا ایسا ہی تھا جیسا آج کل رعایا کا سلطنت برطانیہ کو عرض دینا، جسے اسٹیٹ لورن کہتے ہیں۔

اور تانبے کی کُل مہریں واپس لے لیں تو لاکھوں بلکہ کروڑوں ”نقلی سکہوں“ کے عوض کھرے اور چمکتے ہوئے چاندی سونے کے سکے کہاں سے دے دئے؟ اور جس وقت بادشاہ نے تانبے کی مہریں چلائیں اُس وقت تک تو اُسے کوئی بڑی مہم بھی پیش نہ آئی تھی، نہ کوئی چڑھائی ہوئی تھی، نہ بغاوت، نہ جنگ، کیوں کر ممکن ہے کہ وہ خزانہ جو تخت نشینی کے وقت بھر پور تھا، اور جس میں تخت نشینی کے بعد چاروں طرف سے خراج لا لاکر جمع کیا گیا تھا، اتنی جلدی خالی ہو جائے؟ مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ ”دکن سے جو خزانے سلطان محمد کے ہاتھ لگے تھے اُن میں سے اُس نے ایک کوزی بھی صرف نہ کی تھی۔ سب کو مہریں لگا لگا کر رکھ دیا تھا۔“

ابھی تانبے کی مہروں کو چلائے عرصہ نہ گزرا تھا اور بادشاہ لشکر کے انتظام میں مصروف تھا کہ ملتان سے ملک بہرام ایبہ کشلو خاں کے باقی ہو جانے کی خبر آئی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ نے دولت آباد کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا تو سب امیروں اور منصب داروں کے نام فرمان بھیجے کہ اپنے اپنے گھر بار کو لے کر دولت آباد میں آجائیں اور وہیں اپنے مکان بدوائیں، اسی اثنا میں بادشاہ نے علی نامی محصل (Tax-collector) کو ملتان بھیجا، اور اس کے ذریعہ بہرام ایبہ کو دربار میں طلب کیا۔ علی سختی سے پیش آیا۔ ایک روز بہرام ایبہ کا داماد اپنے گھر سے نکل کر دیوان خانے کی طرف جارہا تھا کہ علی نے اسے جا پکڑا، کہلے لگا ”اپنے خسر کو تم دولت آباد کیوں نہیں جانے دیتے؟ تمہارے دل میں کیوں حرم زدگی سسائی ہے؟“ ”بہرام ایبہ کے داماد نے جواب دیا ”حرام زادہ کسے کہتے ہیں؟“ علی بولا ”حرام زادہ اُسے کہتے ہیں جو کھر کے اندر ہو بیٹھے اور بادشاہ کے حکم کو نہ مانے“ پھر تو اُن دونوں میں خوب چلی، نوبت یہاں تک پہونچی کہ علی نے بہرام ایبہ کے داماد کے بال پکڑ لئے اور کئی مکتے مارے، اُس نے بھی زور کیا اور اپنے بال چھوڑا کر علی کو زمین پر دے مارا، اس کے اردلی نے بڑھ کر علی کا سر کاٹ لیا جسے سارے شہر میں پھرایا گیا۔ بہرام ایبہ نے یہ حال سنا تو سمجھ گیا کہ اب خیر نہیں۔ بادشاہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ یہ سوچ کر بغاوت کی تھان لی۔

جب کشلو خاں کی بغاوت ملتان میں ہوئی تو بادشاہ دولت آباد میں تھا، بغاوت کی خبر سن کر دولت آباد سے ملتان آیا، ابوہر کے

مہدان میں لڑائی ہوئی ، بادشاہ نے بڑی ہوشیاری کی - چتر کے نیچے اپنی جگہ شیخ رکن الدین ملتانی کے بھائی شیخ عماد الدین کو کھڑا کر دیا ، اور خود فوج کا ایک دستہ لے کر کسی سمت نکل گیا ، عماد الدین بادشاہ سے بہت مشابہت تھا ، کشلو خاں کے لشکر نے عماد الدین کو بادشاہ سمجھ کر قتل کر دیا اور لوٹ پر قوت پڑا - بادشاہ نے موقع پایا ، جھپٹ کر کشلو خاں پر آن پڑا ، اور اس کا سر کات ڈالا - کشلو خاں کا لشکر بھاگ نکلا - بادشاہ کو فتح ہوئی -

ملتان سے فارغ ہو کر سلطان محمد دہلی آیا تو وہیں ٹھہر گیا ، دولت آباد نہ گیا - (اُن ہی دنوں بقول ضیاء الدین برنی ، اُس نے دواپے کے کل علاقوں کا لگان دس گنا اور بیس گنا کر دیا ، اور اِنے ٹیکس لگا دئے کہ غریب رعایا بن آئے مرگئی - کچھ تو ٹیکس تھے ہی زیادہ اور کچھ وصول کرنے کا طریقہ ایسا سخت تھا کہ معمولی درجے کے آدمی برداشت نہ کرسکے ، برباد ہو گئے) (جو ذرا مالدار تھے وہ باقی ہو گئے) - بہت سے علاقے ویران ہو گئے ، کھیتیاں اُچر گئیں ، کسانوں نے کھیتی باڑی چھوڑ دی ، تجارت کم ہو گئی ، (ادھر ادھر سے غلہ آنا بند ہو گیا اور دہلی کے نواح میں بلکہ سارے دواپے میں قحط پڑ گیا - بارش بند ہو گئی اور قحط کی سختی بڑھتی ہی چلی گئی ، بوسوں یہی حال رہا ، لاکھوں آدمی تباہ ہو گئے ، اور بڑے بڑے گھرانے خاک میں مل گئے -)

(ضیاء الدین برنی کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس لشکر کو برقرار رکھنے کی غرض سے جسے خراسان کی فتح کے لئے جمع کیا گیا تھا بادشاہ نے دواپے میں نئے نئے محصول لگائے تھے ، اور جب رعایا ان محصولوں کو ادا نہ کرسکی تو سلطان محمد ان کا شکار کرنے کے لئے نکلا ، اور بھگدیاہوں کا دل کھول کر خون بہایا) لیکن ضیاء الدین برنی کا بیان سراسر غلط ہے - اس کی نا تمام اور ادھوری عبارت نے غضب دہایا ہے - اُس نے لکھا کہ ” سلطان محمد بہرام ایبہ کی بغاوت فرو کر کے دہلی آیا تو دو سال تک دہلی رہا - اس عرصے میں لگان بہت بڑھائے گئے - کچھ تو محصولوں کی زیادتی کے سبب اور کچھ محصولوں (Tax-collector) یعنی ٹیکس کلکٹروں کے تشدد کے سبب لگا اور جمنا کے درمیان کا سارا ملک ویران اور برباد ہو گیا - ہندوؤں نے اپنی اپنی

کھیتھوں کو آگ لگادی ، اور مویشیوں کو گھروں سے نکال کر جنگلوں میں
 ہلکا دیا ۔ بادشاہ نے شق داروں اور فوجداروں کو حکم دیا کہ رعیت کو لوت
 لیں ۔ حکم کی تعمیل ہوئی بہت سے خوطہ اور مقدم قتل کر دئے گئے ۔
 بہت سے اندھے کر دئے گئے ، جو بیچ نکلے جتھے بنا بنا کر جنگلوں میں جا چھپے ۔
 بستیاں ویران ہوگئیں ۔ اسی زمانے میں بادشاہ شکار کے طور پر برن کی طرف
 گیا اور سارے برن کو لوت لیا ، اور اسے پامال کر ڈالا ۔ ہلندوں کے سردوں کو کت
 لیا ، اور بہت سے سر برن کے قلمے پر لٹکا دئے گئے ۔ اسی بنا پر الفہستہن ۔
 لہن پول اور ڈاکٹر اسمعہ نے لکھ دیا کہ ” بادشاہ نے برن میں جا کر جانوروں
 کی طرح آدمیوں کا شکار کیا ۔“ کرنہل ہیگ کے نزدیک ” برن کے رھلے والے
 بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے ۔ جو بیچ نکلے وہ جنگلوں میں
 جا چھپے ۔ وہاں جانوروں کی طرح ان کا شکار کیا گیا ۔“ کہا واقعی بادشاہ نے
 جانوروں کی طرح آدمیوں کا شکار کیا ؟ اور اگر کیا تو کیوں ؟ ان سوالوں کا
 جواب دینے سے پہلے یہ بات معلوم کرنی ضرور ہے کہ دوآبے میں بغارت ہوئی
 کیوں ؟ اور اس کا سرفلہ کون تھا ؟

دوآبے میں بغارت کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ سلطان محمد نے
 لکان [۱] بڑھا دیا تھا اور قحط کی آسمانی بلا نازل ہوگئی تھی ، مگر لکان

[۱]—تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ ” خراج ولایت دوآب یکے بے دہ دیکے بے بستہ می
 باید ستد “ جس کا مطلب عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ سلطان محمد نے محصولات کو دس
 گنا اور بیس گنا بڑھا دیا ۔ مگر یہ تو سراسر مبالغہ ہے ۔ متغیبات التواریخ کی عبارت ٹھیک
 معلوم ہوتی ہے ۔ اس میں لکھا ہے کہ خراج آن ولایت را دہ بستہ مقرر سازند “ یعنی جہاں
 پہلے دس وصول ہوتے تھے وہاں اب حکم ہوا کہ بیس وصول کئے جائیں ۔ لیکن تاریخ فیروز شاہی
 کی عبارت مقبول عام ہے ۔ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ ہی تاریخ مبارک شاہی میں
 موجود ہے اور وہ ہی طبقات اکبری میں ہے ۔ تاریخ فیروز شاہی کی عبارت پر غور کیا جائے تو معلوم
 ہوگا کہ ضیاءالدین برنی کو خود یقین نہیں کہ ٹیکس بڑھایا کتنا گیا تھا ، اسی لئے اس نے ایسی
 گول بات لکھ دی ۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے عقل افزائی اور تاریخ فیروز شاہی کی مشکل اور
 مبہم عبارت کا مغز نکال کر قریب قریب ٹھیک بات لکھ دی ۔ محمد قاسم نرشتہ نے لکھا ہے کہ
 محصول نکنا اور چوگنا کر دیا گیا اور یہی حاجی الدبیر نے لکھا ہے ۔ کریئل ہیگ نے فرشتہ اور
 ملا بدایونی کے بیانیوں کو قرین خیال مانا ہے ۔ گارٹر براون نے لکھا ہے کہ ” سلطان محمد کا بڑھایا
 ہوا محصول محضاً یہی ہو ۔ سلطان علاءالدین خلجی کے محصولوں سے کہیں کم تھا ۔ علاءالدین خلجی
 کا تو حکم تھا کہ کسان پیداوار کا آدھا سرکار کو دیں اس کے علاوہ سلطان علاءالدین نے درودہ دینے

اتنا زیادہ نہیں بڑھایا گیا تھا جو ناقابل برداشت ہوتا ، اور قحط بھی ایسا سخت نہ تھا جو عام ہلاکت کا باعث ہوتا ۔ لکان کے سبب بغاوت ہوتی تو سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے میں ہوتی جب کہ لکان پچاس فی صدی تک پہنچ گیا تھا اور محصول بھی بڑھا دئے گئے تھے ۔ قحط کے سبب بغاوت ہوتی تو پانچ سال بعد ہجری ۷۳۵ اور عیسوی ۱۳۳۴-۳۵ کے قریب ہوتی جب کہ ہندوستان میں ست سالہ قحط پڑا جس میں بھوک کے مارے آدمی جانوروں تک کا خون پی پی گئے ، اور ان کی کھالوں بھی جوش کر کر کے کھا گئے ۔ دواپے کی بغاوت کے وقت تو ملک میں غلہ کمزرت سے تھا اور لوگ خوہں حال تھے ، پھر بھی بغاوت ایسی سخت ہوئی کہ غلے کے انبار آگ سے پھونک دئے گئے اور مویشی جنگلوں میں ہکا دبے گئے اور مکان خالی کر دئے گئے ، بستیوں ویران ہو گئیں ۔ (اس بغاوت کا بڑا سبب یہ تھا کہ بادشاہ نے ملتان سے واپس ہونے پر خراسان فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہ پونے چار لاکھ سپاہی جو جمع کئے تھے لشکر سے برخاست کر دئے ۔ وہ سپاہی بھکاری کے سبب بددل ہو گئے ۔ اور پھر اُدھر اُدھر جا کر رعایا کو بھوکانے لگے ۔ بہت سے آدمی بادشاہ سے پہلے ہی بدظن تھے اور کئی جماعتیں بادشاہ کی مخالفت پر آمادہ تھیں ۔ انہوں نے بادشاہ کو بدنام کرنا شروع کر دیا) اس واقعے کے سال تیسرے سال بعد

والے جانوروں پر خاص کر گائیوں اور بھیسوں پر چرائی کا محصول لگا دیا تھا ۔ اور مکانات پر بھی محصول لگایا تھا ۔ یہ محصول سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے عہد میں بہت کم ہو گئے تھے ۔ یہاں نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے کم ہوئے تھے ۔ غالباً بیس ہائس فی صدی کم ہوئے ہوں گے ۔ بعد میں سلطان فیاض الدین تغلق نے اور کم کر دئے ۔ اس نے دیوان وزارت کو حکم دے دیا کہ دس یا گیارہ فی صدی سے زیادہ کا مطالعہ نہ کریں ۔ سلطان محمد نے بجائے دس کے بیس فی صدی طلب کیا ۔ دواپے کی زرغیزی کو مد نظر رکھ کر اس محصول پر غور کیا جائے جو سلطان محمد نے لگایا تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بادشاہ نے کوئی ظلم کیا یا کسی قسم کا تشدد روا رکھا ۔ بیس پچیس سال پہلے جو لوگ پچاس فی صدی ٹیکس ادا کر چکے تھے اُن پر اب بیس فی صدی کا ٹیکس مصیبت کیوں ہو گیا ؟ وجہ یہ تھی کہ محصول بڑھتے ہی دواپے میں بلکہ کل شمالی ہندوستان میں قحط پڑ گیا اور رعایا بد حال ہو گئی ۔ جو مصیبتیں قحط کی وجہ سے لوگوں پر پڑیں ان کو ضیاء الدین برنی نے سلطان محمد کے سر قہوہا اور اس کی حماقتیں ثابت کرنے کی غرض سے محصولوں کی زیادتی کو رعیت کی تمام پریشانیوں اور تکلیفوں کا باعث ٹھہرایا ۔“

گاردنر برارن کا خیال ممکن ہے درست ہو ۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ قحط شروع سے نہ تھا اگر شروع سے ہوتا تو سلطان محمد محصول لگانا ہی کیوں ۔

ابن بطوطہ ہندوستان میں آیا اور آتے ہی اس نے بہت سی باتیں بادشاہ کے خلاف سنیں جنہیں اس نے جگہ جگہ اپنے سفر نامے میں درج کر دیا۔ عالموں کی جماعت بہت مخالف تھی۔ ایک تو اس سبب کہ تخت نشینی کے بعد ہی بادشاہ نے کچھ اصلاحیں کرنی چاہیں تھیں اور ان رسموں کو مٹانا چاہا تھا جنہوں علماء نے مذہب میں داخل کر لیا تھا۔ (دوسرے اس سبب کہ بادشاہ نے خود علماء کی اصلاح کرنی چاہی۔ ان کا کیرکٹر (Character) بلانا چاہا۔ جن عالموں کا کیرکٹر کمزور ثابت ہوا انہیں سزا دیں) سلطان محمد کے نزدیک صرف ان عالموں کی قدر تھی جن کے اخلاق درست تھے، جن کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور جن کا کیرکٹر اچھا تھا۔ ایسے عالم زیادہ تو غیر ملک کے ہوتے تھے۔ مولانا عندالدین، قاضی مجدالدین شیرازی، مولانا ناصرالدین ترمذی سب غور ملکوں کے رہنے والے تھے۔ بادشاہ نے ان کے وظیفے مقرر کئے اور ان سب کی بڑی عزت کی یہ بات ہندوستان کے عالم گوارا نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے ملک میں فتنے فساد برپا کرنے اور سلطنت کو کمزور بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ انہوں نے دوآبے کی بغاوت میں بھی مدد دی ہو تو کیا تعجب!

گلتا چمنا کا علاقہ جسے ضیاءالدین برنی نے دوآبہ لکھا ہے ہمیشہ سے سرکشوں اور باغیوں کا مرکز رہا تھا۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے سے سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے تک دوآبے میں برابر بغاوتیں ہوتی رہیں تھیں۔ سلطان علاءالدین چھسا اولوالعظم بادشاہ بھی دوآبے والوں کی مخالفتوں اور سرکشیوں سے نہ بچا۔ اس نے ان کی بغاوت کو دور کیا اور ان کو مطیع و متحکم بنایا تو اس طریقے سے کہ ان کو مال و دولت سے محروم کر کے کسب معاش میں مشغول کر دیا۔ سلطان محمد سلطان علاءالدین خلجی کے طرز حکومت سے واقف تھا اور دوآبے والوں کی ذہنیت بھی جانتا تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ پونے چار لاکھ فوج کا جس میں اکثر دوآبے کے راتھور ہیں پرانلداہ ہو جانا کس قدر بے امنی کا باعث ہوگا۔ اسی سبب اس نے یہ احتیاط کی کہ ان لوگوں کو کسب معاش میں مشغول رکھنے کی غرض سے نئے نئے محصول لگا دیے۔ زمہدار فوجی خدمتوں سے ہر طرف ہو گئے تو انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ جو لوگ امن چین سے زندگی بسر کر رہے تھے وہ بھی اپنے اپنے مکان چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ جو کچھ مال متاع یہ چھوڑ کر بھاگے تھے وہ لٹیروں کے ہاتھ

آیا - اور جو کچھ وہ لے جا نہ سکے اس میں انہوں نے آگ لگادی - بہت سی کھیتیاں بھی جلا دیں - شاہی ملازم لگان وصول کرنے آئے تو ان کے ساتھ بوا سلوک کیا - بادشاہ پر لٹھروں کا سزایں دینا اور دواپے کا فساد دور کرنا فرض ہو گیا - اس نے شہداروں اور فوجداروں کے نام حکم بھیجا کہ دواپے میں جا کر شورش کو درر کریں - لٹھروں سے لوٹ کا مال چھینیں اور سرکشوں کو مغلوب کریں - جب کسی طریق سے امن قائم نہ ہوا تو وہ خود نکلا اور برن کا رخ کیا - تاریخ فہروز شاہی میں لکھا ہے ”ہمدراں ایام سلطان محمد بر طریق شکار در ولایت برن رفت و فرمان داد تا تمامئی ولایت برن را نہب و تاراج کردند و سر ہاے ہمدواں آوردند و در کنگرہاے حصار برن بیارینختند“ یعنی انہی دنوں بغاوت فرو کرنے کی غرض سے بادشاہ برن آیا - وہاں پہونچ کر برن کی تاراجی کا حکم دے دیا - بہت سے ہندوؤں کے سر کاٹ لئے گئے - جنہیں برن کے قلعے پر لٹکا دیا گیا - لیکن ترجمہ کرنے والوں نے ”بر طریق شکار“ کے جملے سے دھوکا کھا کر یہ لکھ دیا کہ ”سلطان محمد نے اپنی فوج کو شکار کی تھاری کا حکم دیا اور شکار کے دستور کے موافق ہندوستان کے ایک بڑے خطے کو جا گھورا اور حکم دے دیا کہ جو شخص اس گھیرے کے اندر آ جائے وہ قتل کر دیا جائے - شاہی فوجوں کے سپاہی چاروں طرف سے قتل کرتے ہوئے بیچ میں آکر ایک دوسرے سے مل گئے - جو لوگ اس طرح مارے گئے وہ اکثر گنوار تھے اور بالکل بے گناہ - اس قسم کا شکار کئی مرتبہ کھیلا گیا“ لیکن یہ سراسر تہمت ہے جو سلطان محمد پر لگائی گئی ہے -

ابن بطوطہ دواپے کی بغاوت کے دوران میں ہندوستان آیا تھا - وہ چن دنوں دھلی پہونچا بادشاہ دواپے کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا اور برن اور قندوج کے باغیوں کی سرکوبی میں مشغول تھا - اگر واقعی اس نے جانوروں کی طرح آدمیوں کا شکار کیا ہوتا تو خبریں ابن بطوطہ تک ضرور پہونچ جاتیں اور بعد میں جب وہ ان مقامات میں پہونچتا تو اس وقت تو مقامی خبریں اُس کو ضرور ملتیں - یہ ناممکن ہے کہ ابن بطوطہ کو قندوج پہونچنے کے بعد بھی وہاں کے حالات معلوم نہ ہوئے ہوں - ابن بطوطہ کے کان تک بات پہونچتی تو کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیتا - مگر اس نے آدمیوں کے شکار کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا - ”بر طریق شکار رفتن“ سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اُس طریقے سے روانہ ہوا جس طریقہ سے وہ شکار کی سواری پر جایا

کرنا تھا، یعنی اس کے ساتھ خاص تعداد گھوڑوں کی اور جانوروں کی تھی اور کسی کو یہ نہ معلوم تھا کہ بادشاہ کہاں جانے والا ہے۔

(ضیاءالدین برنی نے دواپے کی شورش کا اور بزن، قذوچ اور دلمو کی پرہادی کا ذکر کیا ہے۔ اور یوں لکھا ہے کہ گویا سلطان محمد نے سارے ہندوستان کو ویران کرنے کی تہان لی تھی) بات یہ ہے کہ اس زمانے میں سلطنت پر کئی ناکہانی آفتوں آگئی تھیں (ایک نو لکھنوتی مہن غیاث الدین بہادر کی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی تھی) سفر نامے میں لکھا ہے کہ جلوس کے پہلے ہی سال جب بادشاہ نے غیاث الدین بہادر کو بہت سا مال اور گھوڑے اور ہاتھی دے کر رخصت کیا تو اس کے ساتھ اپنے بھتیجے ابراہیم خاں کو بھی لکھا اور اُسے یہ تاکید کر دی کہ ابراہیم خاں کے ساتھ مل کر حکومت کرنا۔ خطبے اور سکے میں اس کا نام بھی اپنے نام کے ساتھ شریک کرنا اور اپنے بیٹے محمد کو دہلی بھیج دینا۔ غیاث الدین بہادر نے سب باتوں تو پوری کر دیں مگر اپنے بیٹے کو دہلی نہ بھیجا۔ عذر یہ کیا کہ وہ میرا کہنا نہیں مانتا۔ گستاخی کرنا ہے۔ اُن دنوں بادشاہ دہلی میں گھرا ہوا تھا۔ اس نے دلجلی تاتاری کی ماتحتی میں ایک لشکر ابراہیم خاں کے پاس بھیجا۔ ابراہیم اور دلجلی تاتاری نے مل کر غیاث الدین بہادر کا مقابلہ کیا۔ اس کو مار ڈالا اور اس کی کھال کھچواڑی اور کھال میں بھوسا بھروا کر تمام ملک میں گھموا دیا۔ دوسرے نائب کی مہروں سے جنہیں بادشاہ دولت آباد سے جاری کر چکا تھا ہلکا مہ بریا ہو گیا) (تیسرے مغلیہ کو بریاد کرنے کے جو منصوبے بادشاہ نے باندھے تھے وہ ناکام رہے، اور پونے چار لاکھ کا وہ لشکر جو اُس نے اسی فرض سے جمع کیا تھا توڑنا پڑا۔ چوتھے قراچیل کی مہم ناکام رہی)۔ تاریخ فہررز شاہی میں لکھا ہے کہ ”سلطان محمد نے سوچا، میں نے خراسان اور ماردالزہر کی فتح کا ارادہ کر ہی لیا ہے، پہلے قراچیل کے پہاڑ پر قبضہ ہو جائیگا تو پھر ہندوستان کے باہر فوجوں کا بھیجنا آسان ہو جائیگا۔ یہ سوچ کر بادشاہ نے اس بڑے لشکر کو جسے وہ ایک عرصے سے جمع کر رہا تھا بڑے بڑے اور نامور سرداروں کی ماتحتی میں روانہ کیا۔ لشکر نے چند پہاڑی علاقوں پر قبضہ کیا بھی۔ مگر پہاڑی ہندو کوہستان کی وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی لشکر دم کے دم میں فنا ہو گیا) (پانچویں چین کی فتح کی کوششیں بے کار گئیں۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ سلطان محمد کو چین اور ہماچل فتح کرنے کا خیال آیا۔

(ہماچل چین اور ہندوستان کے درمیان واقع ہے) - سلطان نے بڑے بڑے سورماؤں کا ایک لشکر تیار کیا جسے اپنے بھانجے خسرو ملک کی ماتحتی میں روانہ کیا۔ اسے یہ ہدایت کر دی کہ پہلے ان پہاڑی ریاستوں کو تسخیر کرنا جو ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں واقع ہیں - وہ فتح ہو جائیں تو پھر جس جس مقام پر مناسب سمجھو قلعے بنا لیتا اور لشکر گاہیں قائم کر دینا - جب ہماچل پر پورا تسلط ہو جائے تو پھر رفتہ رفتہ آگے بڑھنا - جب چین کی سرحد کے قریب پہونچو تو وہاں بھی پہلے ایک قلعہ بنا لیتا اور لشکر گاہ قائم کر دینا - اس کے بعد چین کو فتح کرنے کی کوشش کرنا - وزیروں اور مشہوروں نے عرض کی جہاں پہاڑ - ہمالیہ کے کوہستان کو اور چین کے علاقوں کو تو ہندوستان کا کوئی بادشاہ بھی فتح نہ کر سکا اور فتح کرنا کھسا؟ وہاں کی زمین کا ذرا سا ٹکڑا بھی کبھی ہندیوں کے ہاتھ نہ آیا - مگر سلطان نہ مانا - خسرو ملک لشکر لے کر روانہ ہوا - کوہستان ہمالیہ میں جا پہونچا - وہاں اس نے چند قلعے بنا لئے - مگر جب چین کی سرحد میں آیا اور چینی امیروں کی شان و شوکت کو دیکھا اور ان کے قلعوں کی مضبوطی اور راستوں کی تنگی اور چارے کی کمی پر نظر کی تو لشکریوں کے دلوں پر خوف چھا گیا - لوٹنے کا ارادہ کیا - برسات شروع ہو گئی تھی - راستوں میں پانی کھڑا ہو گیا تھا، ندیاں بن گئیں تھیں، نکلنے کی راہ نظر نہ آتی تھی، لشکری حیران پریشان کھڑے رہ گئے - آخر پہاڑوں کے سہارے چل پڑے - پہاڑیوں کو موقع ہاتھ آیا - شاہی فوجوں کو خوب لوٹا - ہتھیار بھی لوٹ لئے - خسرو ملک نے کچھ سپاہی حفاظت کی غرض سے راستوں پر مقرر کر دیئے تھے - پہاڑیوں نے ان کو ایسا ہلاک کیا کہ ان کا نام نشان تک باقی نہ رہا - جو سوار بچے نکلے وہ بڑی مشکل سے اس صحرا تک پہونچے جہاں سے جاتے وقت گزر چکے تھے - وہاں دم لیا اور کچھ آرام کیا - اتفاق سے اسی وقت بارش ہو گئی - سب تیرے خیمے پانی میں دوب گئے - اور پانی اتنا چڑھا کہ گھوڑوں پر بیٹھ کر بھی اس مقام کو عبور کرنا مشکل ہو گیا - دس پندرہ دن تک وہیں پڑے رہے - کھانے کو کچھ میسر نہ تھا - خسرو ملک وہیں مر گیا - اس کے بہت سے ساتھی بھی مر گئے -

(چھٹے سہ ہوان میں امیران صدہ کی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی - یہ بغاوت سلطان محمد کی ہلدو نوازی کے سبب ہوئی - اس نے رتن نامی ہلدو، سہ ہوان کا حاکم بنا دیا - ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ”رتن نامی ہلدو علم حساب

میں اور کتابت میں استاد تھا - کسی وسیلے سے بادشاہ تک پہنچ گیا - بادشاہ نے اس کی قدر کی اور اس کو اس ملک کا حاکم بنا دیا اور منصب بھی عطا کیا - یعنی نوبت اور علم رکھنے کی اجازت دے دی - جو بڑے بڑے امیروں کو دی جاتی تھی - سیوستان کی جاگیر بھی مع اس کی نواح کے وتن کو دے دی - جب وہ اپنے شہر میں پہونچا تو امیروں کو ایک ہندو کی اطاعت ناگوار گزری - انہوں نے اس کو دغا سے قتل کر ڈالا اور شاہی خزانے کو لوٹ لیا - پھر ونار نامی کو اپنا حاکم مقرر کر کے سب خزانہ لشکر پر تقسیم کر دیا - ونار کے دل میں بادشاہ کا خوف پیدا ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے وطن کی طرف چلا گیا - باقی لشکر نے امیر قیصر کو اپنا سردار بلایا - اس واقعے کی خبر سرتوز عمادالملک کو ملتان میں پہونچتی تو اس نے لشکر جمع کیا اور خشکی اور تری کے دونوں راستوں سے آگے بڑھنا شروع کیا - امیر قیصر بھی یہ خبر سن کر مقابلے کے لئے نکلا لیکن شکست کھائی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا - سرتیز نے ملجلیتی لکائی اور سختی سے محاصرہ کیا - چالیس دن بعد امیر قیصر نے پلٹا مانگی ، لیکن سرتیز نے اُن کے ساتھ دغا کی - پہلے تو اسان دے دی بعد میں ان کی جائداد لوٹ لی اور سب کو قتل کر ڈالا - ہر روز کسی کی تو گردن کٹوا دیتا - کسی کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتا اور کسی کی کھال کچھوا دیتا ، اور کھالوں میں بھر سا بھروا کر شہر کی فصیل پر لٹکایا جاتا - ان کی نعشیں لٹکتی ہوئی میں نے دیکھیں تو کامنچہ منہ کو آگیا - اس واقعے کے بعد ہی میں سیوہان میں پہونچا تھا - ایک مدرسے میں اُترا تھا اور اس کی چھت پر سویا کرتا تھا - وہاں سے یہ نعشیں لٹکتی ہوئی نظر آتی تھیں تو میری طبیعت بگڑ جاتی تھی “ -

(تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ ”سلطان معتمد اسی ویوانی اور برہادی کے ملندوس کام میں مصروف تھا کہ معبر میں سید احسن شاہ کی بغاوت شروع ہوگئی - دہلی سے ایک لشکر معبر کی طرف روانہ کیا گیا مگر وہ وہیں رہ گیا) آخر بادشاہ دواپے سے دہلی آیا - وہاں سے لشکر تیار کر کے معبر کی طرف روانہ ہوا “ - تاریخ فیروز شاہی کا سفر نامے سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مقام پر ضیالالدین برنی جذبات سے کھسا متاثر ہے - اس کے قلم سے کچھم کا کچھم نکلتا ہے - وہ لکھتا ہے کہ ” بادشاہ دواپے کے قتل عام میں مشغول تھا کہ یکا یک معبر کی بغاوت کا حال سنا - اس پر بھی وہ دہلی

نہ گیا۔ حکم دے دیا کہ دہلی سے ایک لشکر بھیج دیا جائے۔ جب وہ لشکر نا کام رہا تو بادشاہ خود دہلی آیا۔ اُس وقت وہ بہت پردیشان تھا۔ دہلی آتے ہی لشکر لے کر معبر کی طرف روانہ ہو گیا۔ “ابن بطوطہ کا بیان مختلف ہے۔ اس کا قول ہے کہ ”بادشاہ شوال کی پانچویں تاریخ تک دہلی میں آیا۔ جشن کئے کئے، خوشیاں منائی گئیں، نئے نئے عہدے مقرر کئے گئے، مونس بھی دربار میں حاضر ہوا اور بادشاہ کے سامنے بہت سے نوواردوں کے ساتھ پیش کیا گیا۔ سب کو انعام دئے گئے۔ میں دہلی کا قاضی مقرر ہوا۔ پھر سات مہینے کے بعد ۹ جمادی الاول کو بادشاہ معبر کی طرف روانہ ہوا۔ کہیں کہیں وہاں سید احسن شاہ باغی ہو گیا تھا۔“

ابن بطوطہ کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وہ اُس وقت دربار میں موجود تھا۔ اُسی موقع پر بادشاہ سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ کے دہلی میں آنے سے لے کر معبر کی روانگی تک کے حالات ابن بطوطہ نے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اور صرف کانوں سے سن کر نہیں لکھے بلکہ آنکھوں سے دیکھ کر لکھے ہیں۔ وہ سلطنت کی حدود میں سنہ ۷۳۲ھ کی پہلی محرم اور سنہ ۱۳۳۳ع کی بارہویں ستمبر کو داخل ہوا تھا۔ سنہ نامے میں لکھا ہے ”جب ہم دریائے سندھ پر پہنچے تو محرم کی پہلی تاریخ تھی اُسی دریا سے سلطان محمد کی عملداری شروع ہوتی ہے۔“ وہاں سے ابن بطوطہ سیوستان آیا۔ سیوستان سے دس روز میں ملتان آیا۔ ملتان سے دہلی تک کا راستہ پچاس روز کا تھا۔ ابن بطوطہ راستے میں کہیں کہیں ٹہر بھی گیا۔ ملتان میں دو مہینے تک ٹہرا رہا، وہاں سے روانہ ہوا تو ابوہر، ابی بکھر، اجودھن اور پالم ہوتا ہوا غالباً رجب سنہ ۷۳۲ھ اور مارچ سنہ ۱۳۳۳ع میں دہلی پہنچا۔ بادشاہ اس وقت دہلی میں نہ تھا قذوچ کی طرف گیا ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے شعبان اور رمضان کے دو مہینے دہلی میں گزارے۔ خود لکھتا ہے کہ ”مجھے دہلی آئے ہوئے دیکھ مہینہ ہو گیا تو میری ایک بڑی چس کی عمر سال بھر سے کم تھی مرگئی۔ عید الفطر آگئی اور بادشاہ اب تک دارالخلافہ میں نہ آیا۔ اور آیا تو عید کے چار پانچ روز بعد چوتھی پانچویں شوال کو۔“ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ قذوچ اور دلمو کی شورش مٹا کر اور دواپے میں امن قائم کر کے چوتھی شوال سنہ ۷۳۲ھ کو دہلی پہنچا۔ وہاں سات مہینے رہا۔ پھر نویں جمادی الاول سنہ ۷۳۵ھ کو سید احسن شاہ والئی معبر کی بغاوت کی خبر

شہاب سلطانی کو نصرت خاں کا خطاب دے کر بیدر اور اس کی فوج کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ پھر خود علالت ہی کی حالت میں دہلی لوٹا۔

راستے میں عجیب حالت نظر آئی، دیکھا کہ بہت سے علاقے تباہ ہو گئے ہیں۔ ڈاک چوکیاں اُتھ گئی ہیں۔ دہلی پہنچتا تو وہاں بھی ویرانی سی نظر آئی۔ قحط اتنا سخت تھا کہ ایک سویر غلہ سترہ درہم میں بھی نہ ملتا تھا۔ بہتر دے آدمی اور چوپائے بھوکوں کے مارے مر گئے۔ اُس وقت بادشاہ دہلی کو آباد کرنے اور وہاں کی زراعت بڑھانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ رعیت کو خزانے سے روپے دے کر کلوں کو کھودنے اور کاشت کرنے پر آمادہ کیا۔ پر کچھ بھی نہ ہوا۔ جس قدر روپیہ سرکار سے بطور تنہائی کے دیا گیا تھا اس میں سے بہت سا غنہ بوند ہو گیا۔ تھوڑا سا کلوں کو کھودنے اور کاشت کرنے میں لگا بھی تو بارش بلند ہو چکی تھی۔ نہ کلوں ہی کھدے نہ کاشت ہی ہوئی۔ بادشاہ کی محنت رائگاں گئی۔ مجبور ہو کر اس نے حکم دیا کہ دہلی شہر کے دروازے کھول دئے جائیں اور ان لوگوں کو جلیں سختی کے ساتھ شہر میں رہنے کا حکم دے رہا کر دیا جائے۔ یہ اجازت عام تھی۔ لوگوں کو غنیمت ہو گئی۔ جتنے موت کا شکار ہونے سے بچ رہے تھے نکلے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر بلکالے کی طرف چلے گئے۔ بادشاہ بھی قحط سے تانگ آ گیا تھا۔ دہلی چھوڑ کر نکلا اور پتیلی اور کمپلی سے ہوتا ہوا گنگا کے کنارے جا پڑا۔ رعایا کو بھی حکم دیا کہ وہیں اپنے اپنے چہر ڈال لیں۔ وہ موضع سرگداری سرگدواری کے نام سے مشہور ہوا۔ وہاں اودے سے اور کڑے سے غلہ آنے لگا۔ دہلی کی محسبت اُس جگہ حالت بہتر تھی۔ ظفر آباد اور اودے کا حاکم عین الملک مع اپنے بھائیوں کے نزدیکیں رہتا تھا۔ وہ ظفر آباد سے سرگدواری میں سب قسم کی ضروری چیزیں غلہ کھڑا وغیرہ بھیجتا کرتا تھا۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ بادشاہ کی علالت سے جو دولت آباد میں ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے وہ سید احسن شاہ کی بغاوت فرو نہ کر سکا اور معبر تک نہ پہنچ سکا ملک پر کیا اثر پڑا۔ مررخوں کا اتفاق ہے کہ علالت کی خبریں آنا فنا پھیل گئیں اور اُن خبروں کے ساتھ ہی ملک میں بے چینی اور بد امنی پھیل گئی۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ”اگر دوسری طرح معتدل نہ ہوتا تو ملک بادشاہ کے ہاتھ سے نکل چکا تھا“ لاہور میں امیر

حلاجوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا اور گھوکروں کے سردار امہر گلچند سے مل کر لاہور کے حاکم ملک تنہار کو قتل کر دیا۔ یہ سن کر خواجہ جہاں وزیر دہلی سے نکلا، لشکر لے کر چلا اور دریائے راوی کے قریب حلاجوں کو شکست دی۔ حلاجوں بھاگ گیا، اس کا بہت سا لشکر دریا میں ڈوب گیا۔

سید احسن شاہ کا بیٹا سید ابراہیم خریطہ دار ہانسی اور سروے کا حاکم تھا۔ جس وقت بادشاہ ہمایوں ہو کر دولت آباد سے دہلی کی طرف جا رہا تھا اور اس کی موت کی خبریں آ رہی تھیں اس نے بھی بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ ایک امہر ضیاء الملک نامی سمدہ کا خزانہ لے دہلی کو آ رہا تھا۔ جب سروے اور ہانسی کے علاقے سے گذرا تو ابراہیم نے اسے دھوکے سے قہرا لیا۔ مطلب یہ تھا کہ چند روز میں بادشاہ کے مرجانے کی خبر تحقیق ہو جائے گی تو میں اس خزانے پر قبضہ کر لوں گا۔ جب بجائے موت کے بادشاہ کی زندگانی کی خبر تحقیق ہو گئی تو ابراہیم نے ضیاء الملک کو چھوڑ دیا۔ بادشاہ دہلی پہونچا تو سید ابراہیم سلام کو آیا۔ اس کے ایک غلام نے بادشاہ تک سید ابراہیم کی اس بغاوت کی خبر پہونچا دی۔ بادشاہ کو سید ابراہیم سے محبت تھی۔ اس وقت تو اس نے کچھ نہ کہا، مگر بعد میں ناخوش ہو کر اسے قتل کر دیا۔

بادشاہ تلنگانہ سے ہمایوں ہو کر دولت آباد کی طرف آ رہا تھا اور اس کی موت کی خبریں پھیل رہی تھیں کہ دولت آباد کا حاکم ملک ہوشنگ باقی ہو گیا۔ وہ دولت آباد سے بھاگ کر کوکن کے ایک ہندو راجہ بریرہ ناسی کے پاس آیا۔ بادشاہ جلدی جلدی دولت آباد پہونچا اور وہاں سے کوکن آیا۔ کوکن کا متحاصرہ کر لیا اور راجہ سے کہلا بھونچا کہ ہوشنگ کو مہرے حوالے کر دو۔ راجہ نے جواب دیا کہ ہوشنگ نے مہرے پاس پناہ لی ہے میں اسے ہرگز آپ کے حوالے نہیں کر سکتا۔ یہ بات ہوشنگ کو معلوم ہوئی تو وہ ذرا۔ اس نے بادشاہ سے خط کتابت شروع کر دی۔ آخر میں یہ قرار پایا کہ بادشاہ دولت آباد واپس چلا جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ بادشاہ نے دولت آباد کا رخ کیا اور ہوشنگ قتلخ خان کے پاس آ گیا۔ قتلخ خان نے اسے امان دے دی تو ہوشنگ اپنے اہل و عیال کو اور مال اسباب کو لے کر بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ اس کے آنے سے خوش ہوا اور اسے انعام دیا۔

سلطان محمد کی موت کی خبر سن کر تاج الملک نصرت خاں بیدر میں باقی ہو گیا۔ قتلخ خاں نے اسے بھی مغلوب کیا۔ ہندوؤں کو موقع ملا تو انہوں نے بھی بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ ”کنہیا نایک نے بڑا سر اُٹھایا اور سارے وارنگل پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا۔ ملک مقبول نائب وزیر جان بچا کر وارنگل سے نکلا اور دہلی جا پہونچا۔ انہیں دنوں کنہیا کا ایک عزیز جسے کچھ عرصے پہلے سلطان محمد کمپیلہ بھیج چکا تھا بادشاہ کی اطاعت چھوڑ بیٹھا اور باقی ہو گیا۔ وارنگل کی طرح کمپیلہ بھی ہاتھ سے نکل گیا اور ہندوؤں کے قبضے میں چلا گیا۔ سب طرف باغیوں کا غلبہ ہو گیا۔ کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں بد نظمیاں اوو بد عنوانیاں نہ ہوں۔ جتنی زیادہ بد نظمیاں ہوتی تھیں اتنی ہی زیادہ بادشاہ رعایا کو سزائیں دیتا تھا، اور ان سزاؤں کی خبریں جتنی زیادہ ادھر ادھر اُرتی تھیں اُنکی ہی زیادہ خلقت پریشان ہوتی تھی۔“

اس عبارت سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ نے دکن میں ہندوؤں کی بغاوتیں سن کر کچھ نہ کیا۔ دہلی میں بیٹھا رہا۔ قحط کے سبب پریشان تھا۔ قناری تقسیم کرتا رہا۔ زراعت بڑھانے کی کوششوں میں لگا رہا۔ مگر کوششیں ذرا بھی کارگر نہ ہوئیں۔ پانی کا ایک قطرہ نہ برسا۔ رعایا بد حواس ہوتی چلی جاتی تھی، غلے کا بھاؤ بڑھتا جاتا تھا، کل جاندار ہلاک ہوئے جاتے تھے۔ سبزے اور غلے کی جستجو میں بادشاہ ایک آدہ مرتبہ بھاؤں اور کھجور کی سمت نکلا اور چند روز اس نواح میں پھرتا بھی رہا۔ پھر دہلی واپس آگیا۔ نہ-بلا رہی ہوتی تھی، نہ فراخی کی کوئی اور صورت نکلتی تھی۔ ادھر قحط کی مصیبت تھی ادھر اس سے بھی بڑھ کر یہ، گرفت تھی کہ سلطنت کے کام کسی عنوان درست نہ ہوتے تھے۔

ضیاء الدین برنی کا بیان ادھورا اور نا تمام ہے۔ نظام الدین بخشی اور حاجی الدبیر نے اُسی کی ادھوری عبارت حرف بحرف لے لی ہے۔ ابن بطوطہ کے سفر نامے سے، یحییٰ بن احمد کی تاریخ مبارک شاہی سے اور ملا عبد القادر کی منتخبات التواریخ سے بھی کچھ مدد نہیں ملتی۔ محمد قاسم فرشتہ نے کچھ روشنی ڈالی ہے۔ لکھا ہے کہ ”انہیں دنوں لدر دیو کا بیٹا کشنا نایک جو وارنگل کے علاقے میں رہا کرتا تھا کرناٹک کے سب سے بڑے حاکم راجہ بلال دیو

کے پاس چلا گیا اور اس سے کہا کہ مسلمان تلٹکانے اور کرناٹک میں گھس آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم کو یہاں سے نکال دیں۔ اس امر میں فور کرنا چاہئے۔ بلال دیو نے اپنے کل سرداروں کو جمع کر کے مشورہ کیا، اور یہ قرار پایا کہ بلال دیو اپنی قلمرو سے نکل کر اسلامی فوجوں کی گزرگاہ میں اپنا کیمپ قائم کر دے۔ اور معبر اور دھور سمندر اور کمپیلہ کو مسلمانوں کے پٹھے سے نکال کر کشنہ نایک کے قبضے میں دے دیا جائے۔ اس قرار داد کے مطابق بلال دیو نے اپنی سرحد کے جنگل میں ایک سخت اور دشوار گزار مقام پر ایک شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام اپنے بھتیجے بجن رائے کے نام پر بھجن نگر رکھا۔ بھجن نگر ہوتے ہوتے بھجن نگر یا رچیا نگر ہو گیا۔ پھر پیدوں اور سواروں کی بہت سی فوج کشنہ نایک کے ساتھ کردی، جس کی مدد سے اس نے ملک عماد الملک کو وارنگل سے نکال دیا۔ عماد الملک نے بھاگ کر دولت آباد میں پناہ لی اور کشنہ نایک نے وارنگل پر قبضہ کر لیا۔ پھر اسے بلال دیو نے کمک بھیجی، اور معبر اور دھور سمندر بھی مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے۔

بادشاہ کی علالت نے ایک قیامت برپا کر دی۔ خیر ہو گئی کہ سلطان محمد دکن سے جلدی واپس چلا گیا۔ اور پایہ تخت میں پہنچ کر اچھا ہو گیا، لیکن علالت کے ساتھ میں قحط کی آسمانی بلا اور نازل ہو گئی تھی جس نے ہندوستان میں آگ سی لگادی اور جانوں کا ستھرا کر دیا۔ نہ پانی برستا تھا نہ قحط کم ہوتا تھا۔ ہر چند بادشاہ اصلاح کی کوششیں کرتا تھا مگر ایک پیش نہ جاتی تھی۔ نہ زراعت ہوسکتی تھی نہ رعایا ہی کو چھن آتا تھا۔ اسی وجہ سے سلطان مجبور ہو گیا اور بغاوتیں زور پکڑتی چلی گئیں۔ آخر سلطان نے رعیت کو عام اجازت دے دی کہ جو چاہے اپنے اہل و عیال کو لیے کر گنگا اور جمنا کے زر خیز علاقے میں چلا جائے، وہاں قحط سے نجات مل جائے گی۔ بہت سے اپنا گھر بار لیے کر اس طرف چلے گئے۔ آخر میں بادشاہ نے بھی وہیں چھاؤنی ڈال لی۔ امہروں اور سرداروں نے اس کی پیروی کی۔ اسی نواح میں چھپر ڈال ڈال کر اپنے لمبے عارضی مکان بننا لگے۔ اس موضع کا نام سرگدواری رکھا۔

یوں تو تاریخ کی سب کتابوں میں تاریخ مبارک شاہی، طبقات اکبری، منتخبات التواریخ، تاریخ گجرات، تاریخ فرشتہ میں سرگدواری کا تذکرہ موجود ہے، مگر سب سے زیادہ روشنی ڈالنے والا ابن بطوطہ کا سفر نامہ ہے۔ ابن بطوطہ

خود سرگرداری میں موجود تھا ، اور شاہی کیمپ کے ساتھ ساتھ تھا ۔ وہ لکھتا ہے ” کہ جب ملک میں قحط پڑ گیا اور پھیلنا ہی چلا گیا تو بادشاہ اپنا لشکر لے کر دریائے گنگ کے کنارے چلا گیا ۔ یہ جگہ جہاں بادشاہ نے قیام کیا دہلی سے دس منزل تھی ۔ بادشاہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہاں مکان بنائیں ۔ لوگوں نے پھونس کے چھپر ڈال لئے ، مگر چھپروں میں اکثر آگ لگ جاتی تھی ۔ اس سبب سے انہوں نے زمین کے نیچے تہ خانے بنائے ۔ آگ لگ جاتی تو لوگ تہ خانوں میں اپنا اسباب ڈال کر مٹی سے اس کا منہ بند کر دیتے تھے ۔ میں بادشاہ کے کیمپ میں انہیں دنوں پہونچا ۔ دریائے گنگا کے مغرب میں تو سخت قحط پڑ رہا تھا لیکن مشرق کی طرف ارزانی تھی ۔ امیر عین الملک بادشاہ کی طرف سے اودھ ، ظفر آباد اور لکھنؤ کا حاکم تھا ۔ یہ امیر ہر روز بادشاہ کے کیمپ میں پچاس ہزار من گہیروں اور چاول بھیجتا کرتا تھا ۔ مریضوں کے واسطے چنے بھی بھیجتا تھا ۔ جب بادشاہ نے اپنے ہانہی ، کپورے اور خچر دریا کے مشرقی جانب چرائی کے لئے بھیجے تو عین الملک ہی کو ان کی حفاظت کے لئے مقرر کیا۔۔۔۔۔۔۔۔“ سفر نامے میں یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ ڈھائی برس تک سرگرداری میں رہا ۔

اس اٹلا میں یعنی سنہ ۳۸-۳۳۷ھ سے ۴۰-۳۳۰ھ تک پانچ بغاوتیں ہوئیں ۔ پہلی بغاوت بنگالے میں ہوئی ، جسے سمجھنے کے لئے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سلطان محمد نے جب غیاث الدین بہادر کی شورش کو دفع کیا تھا تو اس کی جگہ بہرام خاں کو سنار گاؤں کا حاکم بنا دیا تھا ، اور لکھنوتی کی حکومت جو اب تک بہرام خاں کے پاس تھی قدر خاں کے سپرد کردی تھی ۔ اب بہرام خاں کا انتقال ہو گیا تو فخر نے بغاوت کا جہاداً بلند کر دیا اور فخر کے ساتھ بنگالے کا لشکر بھی باغی ہو گیا ۔ قدر خاں قتل ہو گیا ، لکھنوتی کے خزانے لوٹ لئے گئے اور لکھنوتی ۔ ستگاؤں اور سنار گاؤں کے علاقے باغیوں کے ہاتھ آ گئے ، اور پھر کبھی بادشاہ کے قبضے میں نہ آئے ۔

دوسری بغاوت نظام مائین کی کرتے میں ہوئی ۔ تاریخ فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام مائین ایک بے اصول سا آدمی تھا جس نے شہنشی میں آکر کرتے کی مالکزاری کا ٹھیکہ کئی لاکھ تنکوں کے عوض لے لیا ۔ مگر جتنی رقم کا معاہدہ کیا تھا اس کا دسواں حصہ بھی وصول نہ ہوا ۔ اس وقت اُس نے

بغاوت کی تھان لی - شاہی چتر اپنے سر پر لگانا شروع کردی - اور سلطان علاءالدین کا لقب اختیار کر لیا - جب یہ خبر بادشاہ کے کیمپ میں پہونچتی تو عین الملک اپنے بھائیوں کو لے کر لشکر سے نکلا اُسی نے آخر نظام مائین کی شورش کو دفع کیا - نظام مائین گرفتار ہوا اور اس کی کھال کھینچی گئی - لیکن جو سزا اُسے دی گئی اس کا ذمہ دار بادشاہ نہیں تھرایا جا سکتا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عین الملک نے اس بغاوت کا فرو کرنا خود ہی اپنے ذمے لے لیا تھا - اُسی نے نظام مائین کے لئے سزا تجویز کی - بادشاہ اس کے متعلق کوئی حکم جاری نہ کرنے پایا تھا - اس زمانے میں باغی کا ہلاک ہو جانا ہی بہتر سمجھا جاتا تھا - نظام مائین ہلاک ہو گیا تو اس کی جگہ بادشاہ نے اپنے بھانج داماد شیخ زادہ بسطامی کو کرے کا حاکم بنادیا -

تیسری بغاوت شہاب سلطانی کی بیدر میں ہوئی - کچھ عرصے پہلے بادشاہ نے اُسے نصرت خاں کا خطاب دے کر بیدر کا جاگیر دار بنادیا تھا - اور اس نے تین سال کے لئے سارے علاقے کا تھوکنے ایک کروڑ تھکنوں کے عوض لے لیا تھا - لیکن جتنا مال شہاب سلطانی نے خزانے سے لیا تھا اس کا تین چوتھائی بھی باوجود بڑی بڑی کوششوں کے ادا نہ کرسکا - آخر باغی ہو گیا - اور بیدر کے قلعے میں ہو بیٹھا - اس کی سرکوبی کے لئے بادشاہ نے دکن سے قتلغ خاں کو نامزد کیا - قتلغ خاںی لشکر کے ساتھ دہلی کے بعض امیر اور ملک بھی گئے ، اور دھار کی فوج بھی گئی - سب نے مل کر قلعے پر قبضہ کر لیا ، اور شہاب سلطانی کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا - بیدر پھر بادشاہ کے قبضے میں آگیا -

چوتھی بغاوت علی شاہ کی تھی ، یہ بھی بیدر میں ہوئی - علی شاہ قتلغ خاں کے ماتحت دیو گڑھ کا امیر صدمہ تھا - روپیہ وصول کرنے کی غرض سے گلبرگہ گیا تھا - اس نے ان علاقوں کو افسروں سے بالکل خالی پایا ، اور دیکھا کہ وہاں سوار ہوں نہ پیداوے ، مقطع میں نہ والی ، یہ دیکھ کر اس کی نیت بد ہو گئی - اپنے بھائیوں سے مل گیا اور ان کی سازش سے باغی ہو گیا - گلبرگہ کے تحصیلدار بھدروں آتھ نامی کو دھوکے سے قتل کر دیا اور اس کا سب مال لوٹ لیا - پھر بیدر پہونچا ، اور وہاں کے نائب حاکم کو قتل کیا - گلبرگہ کی طرح بیدر پر بھی اب علی شاہ کا قبضہ ہو گیا - یہ خبریں بادشاہ نے

سنیوں تو اُس نے قتلخ خاں کو علی شاہ کی سرکوبی کے لئے نام زد کیا - اس کے ساتھ بہت سے امیر گئے اور دھار کی کچھ فوج بھی بھیجی - قتلخ خاں دیوگڑھ سے روانہ ہوا تو اس کے ساتھ خاصا بڑا لشکر تھا - بھدر کے قریب لڑائی ہوئی - علی شاہ شکست کھا کر قلعے کی طرف بھاگا اور قلعہ نشین ہو گیا - قتلخ خاں نے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور علی شاہ کو مع اس کے بھائیوں کے گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس سرگدواری بھیج دیا - بادشاہ نے ان سب کو غزنی کی طرف جلاوطن کر دیا - کچھ عرصے کے بعد قضا نے ان کو آگھیرا وہ پھر ہندوستان میں آگئے ، اس وقت بادشاہ نے انہیں قتل کرا دیا -

پانچویں بغاوت عین الملک کی اور اس کے بھائیوں کی تھی - یہ بغاوت سرگدواری میں ہوئی اور سارے اودھ میں ظفر آباد تک پھیل گئی - عین الملک بادشاہ کا ہم نشین تھا اور بادشاہ اس پر مہربان بھی تھا ، مگر اُسے بادشاہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا ، اس کے غصے سے دوتا رہتا تھا ، ہلاکت اور تباہی کا ہولناک منظر اس کے پیش نظر رہتا تھا - ایک دن اس نے اپنے بھائیوں کو مع لشکر کے سرگدواری سے کچھ فاصلے پر بھیج دیا - جہاں انہوں نے چھاونی ڈال لی اور سرگدواری کے جنگل میں سے بادشاہ کے مریخی پکڑ لے گئے اور چھاونی میں لے جا کر بند کر دیا - آدھی رات کے قریب عین الملک بھی سرگدواری سے چل پڑا - سب بھائیوں نے مل کر گٹھا کو عبور کیا - بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے کئی مقامات سے ، دہلی ، سامانہ ، برن اور کول سے فوجیں منگوائیں - لشکر جمع ہو گیا تو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں - تیاریاں ہو گئیں تو بادشاہ لشکر لے کر فوج کی طرف روانہ ہوا - شہر سے کچھ فاصلے پر اُس نے اپنا قیودہ ڈال دیا - عین الملک کے بھائی جنگ کے معاملے میں ناتجربہ کار تھے - انہوں نے شاہی قیودے کے مقابل میں اپنے پڑے جما دئے اور جب آدھی رات گزر گئی تو بادشاہ کی چھاونی پر تیر برسائے لگے - صبح ہوتے تک شاہی فوجیں بھی جنگ کے لئے مہدان میں آگئیں ، لڑائی کا بازار گرم ہو گیا - عین الملک کے دونوں بھائی جو اس کے لشکر کے سردار تھے مارے گئے ، لشکر تہ و بالا ہو گیا ، عین الملک گرفتار ہو گیا ، اس کے ساتھی بھاگ گئے ، بارہ تھراہ کوس تک ان کا تعاقب کیا گیا ، پھر چرے کام آئے - عین الملک بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ کو ترس آگیا - کہنے لگا ” عین الملک اپنی ذات سے نیک ہے اور بے جرم ہے ، وہ تو اوروں کے کہنے میں آگیا تھا - پر ہے بڑا تجربہ کار اور

ہلر ملد “ - اتنا کہہ کر بادشاہ نے اُس کو آزاد کر دیا ‘ اور آزاد ہی نہیں کیا بلکہ دوبارہ طلب کر کے اسے خلعت عطا کیا اور انعام بھی دیا اور اُس کے بیٹوں کی بھی جان بخشی کی -

یہاں تک بہان ضہا الدین برنی کا تھا - لیکن جو بات ابن بطوطہ کے بہان میں ہے وہ ضہا الدین برنی کے بہان میں کہاں ؟ ابن بطوطہ نے جو کچھ لکھا ہے آنکھوں سے دیکھ کر لکھا ہے ‘ وہ خود بادشاہ کے کیمپ میں موجود تھا - وہ لکھتا ہے ” کہ عین الملک کے بھائیوں نے یہ سازش کی کہ بادشاہ کے مویشی بھگا کر لے جائیں اور عین الملک سے ساز باز کر کے اسی کو اپنا بادشاہ بلالیں - دن کو عین الملک کے بھائی بھاگے - رات کو عین الملک بھی بھاگا - قریب تھا کہ ان لوگوں کا کام بن جائے اور بادشاہ کو خبر بھی نہ ہو - لیکن بادشاہ کا غلام ملک شاہ نامی عین الملک کے پاس رہا کرتا تھا ‘ اس نے بادشاہ کو عین الملک کے بھاگ جانے کی خبر دے دی - اُس وقت بادشاہ گھبرا گیا - سمجھا کہ قضا آگئی - اس کے گھوڑے اور ہاتھی عین الملک کے پاس تھے اور غلے تک کا انتظام اسی کے ہاتھ میں تھا - شاہی فوجیں ایک جگہ نہ تھیں ‘ مختلف مقاموں میں پھیلی ہوئی تھیں - بادشاہ نے وزیروں سے مشورہ کیا - راتے یہ قرار پائی کہ دشمن سے مقابلہ کیا جائے - چنانچہ قریب قریب کی فوجوں کو خط لکھ لکھ کر بلا لیا گیا - اگر سو آدمی آتے تو بادشاہ ہزار آدمی ان کے استقبال کے لئے بھیج دیتا - اس طرح وہ گیارہ سو ہو کر شاہی کیمپ میں داخل ہوتے - مطالب یہ تھا کہ دشمن کی نظروں میں شاہی فوجوں کی تعداد بہت معلوم ہو - فوجیں جمع ہو گئیں تو بادشاہ نے دریا کے کنارے کھارے بچھنا شروع کیا - اس کا ارادہ تھا کہ قذوچ تک پہنچ کر قلعہ نشہن ہو جائے - لیکن قذوچ وہاں سے تھیں منزل تھا - جب اول منزل طے کر چکا تو لشکر کی صف بندی کی اور لڑائی کے واسطے آمادہ ہو گیا - لشکر کو بھی آمادہ کیا - تین دن تک بادشاہ نہ تو آرام سے خیمے میں سویا اور نہ کبھی سائے میں بیٹھا - ایک دن اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا ‘ یکایک میرے نوکر نے مجھے آواز دی - ” صاحب - جلدی باہر آئیے “ - میں باہر نکلا تو اس نے کہا ” بادشاہ نے ابھی حکم دیا ہے کہ جس شخص کے ساتھ ہورتیں یا لڑندیاں ہوں اسے قتل کر دیا جائے “ - میرے ساتھ تین لڑندیاں تھیں..... میں نے ان سب کو کھیلنے کے قلعے میں جو وہاں سے تین کوس کے فاصلے پر تھا بھیج دیا -

کھمب میں کوئی عورت باقی نہ رہی - بادشاہ کے ساتھ بھی کوئی عورت نہ تھی - غرض وہ رات ہم نے تیاری میں گزار دی ، جب دن ہوا تو بادشاہ نے لشکر کے کئی دستے کر دیئے - ہر دستے کے ساتھ زرہ پوش ہودج والے ہاتھی مقرر کئے - جن پر سپاہی بیٹھے ہوئے تھے - سپاہیوں کو حکم ہوا کہ زرہ پہن لیں - سب نے زرہ پہن لی اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے - یہ دوسری رات بھی ہم نے تیاری میں بسر کی - تیسرے دن خبر ملی کہ عین الملک دریا کے پاس آگیا ہے - بادشاہ کو اندیشہ ہوا کہ وہ دریا پار کے امیروں سے سازش کر کے آیا ہے - یہ سوچ کر آگے بڑھنا شروع کیا اور بہت تیزی سے چلا - عصر کا وقت تھا کہ قنوج جا پہنچا - اُسے خوف یہ تھا کہ کہیں عین الملک پہلے سے پہنچ کر قنوج پر قبضہ نہ کر لے - غرض بادشاہ رات بھر لشکر کو درست کرتا رہا - صبح ہوتے ہی لشکر میں داخل ہوئے - ہم لشکر کے اگلے حصے میں تھے - بادشاہ کے چچا زاد بھائی ملک فیروز کے ساتھی اور چند خراسانی امیر بھی ہمارے ساتھ تھے - بادشاہ نے ہم کو اپنے خواص میں شامل کر لیا اور کہا ” تم لوگ میرے ساتھ رہو “ اور اسی میں خیر رہی - کیونکہ عین الملک نے پچھلی رات کو لشکر کے اگلے حصے پر چھاپہ مارا - خواجہ جہاں وزیر بھی اسی حصے میں شامل تھا بڑا شور مچا - بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے اور تلواروں کے ذریعے لڑائی کی جائے - سارا لشکر تلواریں کھینچ کر دشمن کی طرف بڑھا - گھمسان کی لڑائی ہوئی - رات ہو گئی تو بادشاہ نے اپنی علامت ” دہلی “ اور ” غزنی “ مقرر کر دی - جب ہمارے لشکر کا کوئی سوار دوسرے سے ملتا تھا تو دلی کا لفظ کہتا تھا - دوسرا جواب میں ” غزنی “ کہتا تو معلوم ہو جاتا کہ وہ ہمارے ہی لشکر کا ہے ، ورنہ اسے قتل کر دیا جاتا - عین الملک خاص بادشاہ کے قریب پر چھاپہ مارنا چاہتا تھا لیکن رھبر نے اسے دھوکا دیا - نتیجہ یہ ہوا کہ عین الملک بجائے بادشاہ کے ، وزیر کے قریب پر جا پڑا - اس نے غصہ میں آکر رھبر کو مار ڈالا - وزیر کے لشکر میں عجمی ، ترکی اور خراسانی بہت تھے اور چونکہ وہ ہندیوں کے دشمن تھے اس لئے خوب جی توڑ کے لڑے - عین الملک کا لشکر پچاس ہزار کے قریب تھا ، مگر صبح ہوتے تک اس کا نام نشان بھی نہ رہا - سب بھاگ گئے - اس وقت عین الملک نے اپنے نائب ابراہیم ناناری سے کہا ” ابراہیم ! اب کیا رائے ہے ؟ لشکر میں جو بہادر تھے وہ تو بھاگ گئے - تمہاری رائے ہو تو ہم بھی

بھاگ چلیں ” لیکن ابراہیم عین الملک سے پھر کہا تھا - اس نے اپنے ساتھیوں سے سازش کر لی اور اپنی زبان میں ان سے یہ کہہ دیا کہ ” جب عین الملک بھاگنے کو ہوگا تو میں اس کی زلفیں پکڑ لوں گا اور جس وقت میں اس کی زلفیں پکڑوں تو تم اس کے گھوڑے کو چابک مار کر اسے نیچے گرا دیں گے - پھر ہم اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جائیں گے - اس خدمت کے صلے میں شاید بادشاہ میرا قصور معاف کر دے ” ایسا ہی ہوا - جونہی عین الملک نے بھاگنے کا قصد کیا - ابراہیم نے زور سے اس کی زلفیں پکڑ لیں اور کہا ” سلطان علاء الدین کہاں جاتے ہو ؟ ” ابراہیم کے ساتھیوں نے عین الملک کے گھوڑے کو چابک مار کر بھاگ دیا - عین الملک زمین پر گر پڑا ، اور ابراہیم نے اسے قابو میں کر لیا اور جب وزیر کے ملازم اسے پکڑنے کو آئے تو بولا ” تم رہنے دو میں خود ہی وزیر کے پاس لے جاؤں گا ! ” ورنہ لڑ لڑ کر مر جائیگا ” - غرض ابراہیم عین الملک کو وزیر کے پاس لے گیا - صبح ہو چکی تھی - بادشاہ کی خدمت میں ہاتھی اور چھتے بیٹھ گئے جا رہے تھے - میں بھی دیکھ رہا تھا - کسی عراقی نے مجھ سے کہا کہ ” عین الملک پکڑا گیا - اب اسے وزیر کے پاس لائے ہیں ” مجھے یقین نہ آیا - تھوڑی دیر میں ملک تیمور شہنشاہ آیا - اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا مبارک ہو عین الملک پکڑا گیا - اب وہ وزیر کے پاس ہے - یہ خبر بادشاہ نے سنی تو وہ عین الملک کے کیمپ کی طرف گیا - میں بھی بادشاہ کے ساتھ ساتھ تھا - سپاہیوں نے عین الملک کے کیمپ کو لوٹ لیا - اس کے بہت سے ساتھی دریا میں گھس گئے اور قوت کر گئے - بادشاہ نے وہیں ایک گھات پر قیام کیا - تھوڑی دیر میں وزیر عین الملک کو لے کر آیا - عین الملک بیل پر سوار تھے اس کا بدن نلکا تھا - صرف ایک پرانے کپڑے کا لفکوت لپٹا تھا - جس کا ایک سرا اس کی گردن میں بندھا ہوا تھا - غرض وزیر نے اسے شامی کیمپ کے دروازے پر کھڑا کر دیا اور خود اندر جا کر بادشاہ کو اطلاع دی - بادشاہ نے عین الملک کے لئے شربت بھرجا - پھر ملک کبوتر کے ذریعے اس سے دریافت کیا کہ ” بغاوت کی وجہ کیا تھی ؟ ” عین الملک نے کچھ جواب نہ دیا - بادشاہ نے حکم دیا کہ ” عین الملک کو غریبوں کے سے کپڑے پہنائے جائیں ” اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈالی جائیں اور دونوں ہاتھ گردن سے باندھ کر وزیر کے سپرد کر دیا جائے - ” عین الملک تو گرفتار ہوا اور اس کی یہ گت بنی ، مگر اس کے بھائی بھاگ کر دریا پار پہنچ گئے - بھاگتے وقت انہوں نے اپنی بھانجی یعنی عین الملک کی

زوجہ سے کہا - ”بہابی تم بھی بچوں کو لے کر ہمارے ساتھ چلو“ اس نےک
 بخت نے جواب دیا ”ہندوؤں کی عورتیں تو اپنے خاوند کے ساتھ چل چل کر
 مہر جاتی ہیں، کیا میں ان سے بھی گئی گزری ہوگئی؟ اگر میرے خاوند کو
 مرنا ہے تو میں بھی مر جاؤنگی اگر وہ جی بچا تو میں بھی جھوں گی۔“
 عین الملک کی زوجہ کا یہ جواب بادشاہ نے سنا تو بہت خوش ہوا اور جب
 وہ عورت اپنی نند کے ساتھ اس کے سامنے لائی گئی تو اس نے اُن
 دونوں کے لئے عین الملک کے خیمے کے پاس ایک خیمہ لگوا دیا اور وزیر کو
 اُن کا نگراں مقرر کر دیا۔ عین الملک اپنے حرم میں جا کر کچھ دیر بیٹھتا تھا۔
 اور پھر قید خانے میں آجانا تھا۔

واقعی عین الملک بڑی شخصیت، بڑی اہلیت اور بڑی قابلیت کا
 آدمی تھا۔ اسی وجہ سے سلطان محمد نے اس کی جان بخشی کی اور
 اس پر انعام اکرام کیا اور اس کی خاطر دوسروں کے قصور معاف کردئے۔

یہ مرحلہ طے ہوا تو بادشاہ سرگداری سے روانہ ہوگیا۔ اب بارش
 ہو چکی تھی اور قحط بھی دور ہو چلا تھا۔ بادشاہ سرگداری سے بھرانیچ
 پہونچا۔ وہاں سالار مسعود غازی کے مزار کی زیارت کی اور مزار کے مجاوروں
 پر بہت بخششیں کیں اور مقبرہ بلوایا۔ پھر دہلی کا رخ کیا۔ دہلی پہونچ کر
 رعایا پر بخششیں کیں، بہت سے محصول معاف کردئے اور عدالت کو بھی
 سدھارا۔ سفر نامے میں لکھا ہے کہ ”سنہ ۷۴۱ھ [۱] میں سلطان محمد نے
 حکم دیا کہ سوائے زکوٰۃ اور عشر کے سب محصول معاف کر دئے جائیں۔ اور
 خود ہفتے میں دو دن پھر اور جمعرات کو انصاف کرنے کی غرض سے دیوان خانے
 کے سامنے ایک مہدان میں بیٹھنے لگا۔ اس وقت شاہی پیشی میں چار
 عہدہ دار، ایک امیر حاجب، دوسرے خاص حاجب، تیسرے سیدالکتاب
 اور چوتھے شرف الکتاب حاضر رہتے تھے۔ ان سب کو اجازت تھی کہ جو شکایت
 ہو بادشاہ کے حضور میں پیش کریں۔ دیوان خانے کے چاروں دروازوں پر
 بادشاہ کے چار امیر مقرر رہتے تھے۔ انہیں ہدایت تھی کہ جو فریادی آئے اس کی
 فریاد فوراً لکھ کر عدالت میں بھیج دیں“ اگر پہلے دروازے والا امیر فریادی
 کی فریاد لکھ بھیجتا تو خیر ورنہ فریادی دوسرے دروازے پر آنا تھا۔ اگر

دوسرے دروازے والا امہر بھی نہ لکھتا تو فریادی تیسرے دروازے پر جاتا۔ وہاں بھی نا کام رہتا تو چوتھے دروازے پر پہونچتا۔ اگر سب انکار کر دیتے تو وہ صدر جہاں فاضی القضاۃ کے پاس جاتا۔ اگر صدر جہاں بھی اس کی فریاد نہ لکھتا تو پھر اُسے بادشاہ کے پاس چلے جانے کی اجازت تھی۔ بادشاہ امہروں سے باز پرس کرتا۔ اگر اُسے امہروں کی بے پرواہی کا یقین ہو جاتا تو ان کو سزا دیتا۔ دن بھر میں جتنی فریادیں لکھی جاتیں وہ سب رات کو بادشاہ کے سامنے پیش کی جاتیں۔ عشا کی نماز کے بعد وہ ان کا مطالعہ کیا کرتا۔

محصولوں کی معافی اور عدالت کی درستگی کے ساتھ ہی ساتھ سلطان محمد نے خلیفہ عباسی کی بیعت کا ارادہ کیا۔ تاریخ فہررور شاہی میں لکھا ہے کہ بادشاہ سرگوداری سے لوٹ کر دہلی پہونچا تو اُسے یہ خیال آیا کہ خلفائے عباسیہ کی اجازت بغیر بادشاہت کرنے والا ظالم ہے۔ یہ سوچ کر اس نے غیر ملک کے باشندوں سے اور دور دور کے آنے والوں سے خلفائے عباسیہ کی بابت دریافت کرنا شروع کیا۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ عباسیہ خاندان کا ایک خلیفہ مصر میں موجود ہے۔ بادشاہ نے اسی سے بیعت کر لی۔ امرانے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر بادشاہ نے خلیفہ کے ساتھ خط کتابت شروع کی اور ایک ایک بات اس کو لکھ لکھ کر بھیجتے لگا۔ سرگوداری سے چل کر جب بادشاہ پایہ تخت میں پہونچا تو اس نے جمعہ کی اور عید کی نمازیں بلند کر دیں۔ سکہ بجائے اپنے نام کے خلیفہ کے نام کا چلا دیا، اور خلیفہ کا نام مع القاب کے سکوں پر نقش کرایا، اور طرح طرح سے خلفائے عباسیہ کے ساتھ خاص اور محبت کا اظہار کرنے لگا، جسے تفصیل کے ساتھ لکھنا بھی ممکن نہیں۔ مختصر یہ کہ سنہ ۷۴۲ھ میں خلیفہ کا ایلچی حاجی سعد صرصری مصر سے دہلی آیا اور خلیفہ کا فرمان۔ علم اور خلعت بادشاہ کے پاس لایا۔ حاجی سعد صرصری ابھی شہر تک پہونچتا تھا کہ بادشاہ امہروں، سرداروں، صوفیوں اور عالموں کو لے کر استقبال کے لئے نکلا اور پانچ کوس تک پیادہ گیا۔ خلیفہ کے بھیجتے ہوئے خلعت اور فرمان کو سر پر رکھا، اور حاجی سعد صرصری کی قدمبوسی کے لئے جھکا اور اس پر سونے کی نچھاور کرایا۔ جمعہ اور عید کی نمازیں بھی جاری کرا دیں۔ جمعہ کی نماز میں جب خطبہ پڑھا گیا اور خطیب کی زبان سے خلیفہ کا نام نکلا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ

سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے طبق لگائے جائیں - حکم کی تعمیل کی گئی - اور سونے چاندی سے بھرے طبق حاجی سعید صرصری پر سے نچھاور کر دئے گئے - سلطان ہر جمعے کو پا پیادہ مسجد تک جایا کرتا ، اپنے کل سرداروں اور امیروں کو بھی لے جاتا ، نماز میں شریک ہوتا اور خطبہ سنتا اور خلیفہ کا نام جو خطبے میں لیا جاتا خاص طور سے خہال رکھتا - جن بادشاہوں نے خلیفہ کی بھعت نہیں کی تھی ان کے نام سلطان محمد نے خطبے میں سے نکال دئے - صرف اُن ہی بادشاہوں کے نام باقی رکھے جنہوں نے خلیفہ سے بھعت کر لی تھی اور اس کی اجازت حاصل کر لی تھی - اس نے یہ بھی حکم دیا کہ خلیفہ کا نام مع القاب کے زربفت کے ٹکڑوں پر اور قیمتی قیمتی کپڑوں پر لکھا جائے - پھر اپنی قلم سے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا جسے بیس بہا اور بے نظیر موتیوں کے ساتھ ، مصر بھیج دیا -

سلطان محمد کو خلیفہ کے ساتھ بلا کی عقیدت تھی ، اگر اس کا بس ہوتا ، اور راستے میں لقلعے کا ڈر نہ ہوتا تو شاید سارا کا سارا خزانہ ہی اٹھا کر وہ دہلی سے مصر بھیج دیتا اور خود خلیفہ کی بغیر اجازت پانی تک نہ پیتا - خلیفہ کی خاطر اس نے اس درجہ کی کہ ملک کبیر جیسے غلام کو جو خوبوں میں اور وفاداری میں بے نظیر تھا مصر بھیج دیا - ملک کبیر دربار کا سر جاندار تھا - اور اپنی نیکیوں اور فضیلتوں کی بدولت نائب سلطان کہلانے کا مستحق تھا - بادشاہ نے اسے خلیفہ کے حوالے کر دیا ، اور یہ دستاویز لکھدی کہ ملک کبیر کو میں نے ہمیشہ کے لئے خلیفہ کی نذر کیا ، جب تک وہ زندہ وہ خلیفہ کی خلعت میں دئے -

اس واقعے کے دو سال بعد دربار میں یہ خبر آئی کہ مصر کا شیخ الشیوخ خلیفہ کا حکم نامہ اور خاص خلعت لے کر دہلی آ رہا ہے - بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر میں آرایش کی جائے - حکم کی تعمیل ہوگئی تو وہ خلیفہ کا علم ہاتھ میں لے کر اور اس کا اجازت نامہ سر پر رکھ کر محل کے دروازے سے نکلا اور قلعے سے صحن تک پا پھانہ گیا ، وہاں شیخ کا بڑے تکلف سے خیر مقدم کیا ، اور اس قدر تعظیم تکریم کی کہ دیکھنے والے حیران ہو گئے - کہاں تک لکھوں ؟ اگر ذرا تفصیل کروں تو اسی عقیدت کے حال میں ایک مجتہد کتاب بن جائے - مختصر یہ کہ بادشاہ اُتھ رہا ہو یا پوتھ رہا ہو ، کسی سے بات کر رہا ہو یا کسی کی

سن رہا ہو، 'مال لے رہا ہو یا دے رہا،' سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو یا اور کسی شغل میں، 'ہر وقت اس کی زبان پر خلیفہ کا نام جاری رہتا تھا۔

شیوخ الشیوخ کے استقبال سے بادشاہ فارغ ہو گیا تو حکم دیا کہ جتنے آدمی غیر ملکوں سے آئے ہوں وہ سب خلیفہ کے اجازت نامے کو دیکھیں اور بیعت کریں۔ اس دن سے بادشاہ کی ملشا کے مطابق قرآن مجید کے ساتھ ساتھ خلیفہ کا حکم نامہ بھی دربار میں رکھا جاتا۔ کل امیر اور سردار اس حکم نامے کو دیکھ دیکھ کر خلیفہ کی بیعت کرتے اور اس مضمون کے خط لکھ لکھ کر خلیفہ کو بھیجتے۔ اسی دن سے یہ بھی دستور ہو گیا کہ ترک ہوں یا مغل، امیران ہزارہ ہوں یا امیران صده، سردار ہوں یا ان کی عورتیں، غرض جو جو بھی غیر ملکوں سے آئے پہلے ان سے خلیفہ کی بیعت لی جاتی اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے انہیں انعام اکرام ملتا۔

سلطان محمد خلیفہ کے سفیروں اور پیغام بروں کی انہی تعظیم کرتا جلتی غلام بھی اپنے آقا کی نہیں کرتے۔ حد ہو گئی کہ بادشاہ حاجی سعید صرصری، حاجی رجب برقعی اور شیوخ الشیوخ مصری کے قدموں میں سر رکھ رکھ دیتا، اور ان کے پیروں پر آنکھیں ملتا۔ ایسی عظمت و شان والے بادشاہ کو لوگ خلیفہ کے آدمیوں کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے دیکھتے تو بڑا تعجب کرتے اور آپس میں کہتے "اس بادشاہ کو خلیفہ سے کس درجہ محبت ہے! - معلوم ہوتا ہے کہ جو سانس لیتا ہے خلیفہ کی محبت میں لیتا ہے، یہ کیسی محبت ہے؟ کوسی عقیدت ہے؟ کہ خلیفہ کے قادیوں ہی کی خاطر تواضع میں سلطان بچھا چلا جاتا ہے، اگر کہیں وہ خود خلیفہ کو دیکھ لے تو خدا جانے کیا حالت ہو؟"

مخدوم زادہ عباسی بغداد سے دہلی آیا تو بادشاہ اس کے استقبال کے لئے ہال تک گیا۔ پھر خدا جانے کن کن طریقوں سے اس کی تعظیم تکریم کی۔ لاکھوں روپے اسے بخش دیئے، اور خزانے کے خزانے سونپ دیئے۔ جب وہ دربار میں آتا تو بادشاہ اسے در سے دیکھ کر تخت سے اتر پڑتا اور استقبال کی غرض سے کئی قدم آگے بڑھتا۔ بھرے دربار میں اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیتا۔ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔ عید آتی یا دربار عام ہوتا تو بادشاہ مخدوم زادے کو بلا کر اپنے برابر تخت پر بیٹھاتا اور خود اس کے سامنے ادب سے دو زانو بیٹھتا،

جب وہ واپس جانے کی غرض سے اُتتا تو بادشاہ بھی کہتا ہو جانا ' امرا بھی کہتے ہو جاتے ' سب ہر وقت بادشاہ کی طرح مستحکم زادے کی تعظیم کیا کرتے - غرض مستحکم زادے پر بادشاہ بے حد مہربان تھا - دس لاکھ تھکے اسے نقد دئے ' قنوج کا سارا علاقہ دیا ' اور سوری کا محکم اسے سونپ دیا - اس کے علاوہ سوری شہر کی جو آمدنی تھی وہ بھی اس کی نذر کر دی اور متفرق زمینوں کے ٹکڑے بھی دئے ' حوض دئے ' اور باغ دئے -

ابن بطوطہ نے لکھا ہے " کہ مستحکم زادے کا نام امیر غیاث الدین محمد تھا ' عباسیہ خاندان سے تھا ' بغداد کا رہنے والا تھا ' بغداد سے وہ ماروالہ کے بادشاہ طرمشیریں کے پاس آیا تھا - وہاں اس نے سنا کہ ہندوستان کے بادشاہ کو یعنی عباس سے بڑی عقیدت ہے - یہ سن کر اس نے دو قاصد سلطان محمد کے پاس بھیجے - سلطان نے اس کے متعلق تحقیق کی - تصدیق ہو گئی تو امیر غیاث الدین کے قاصدوں کو پانچ ہزار دیغار دئے اور اسے لانے کے لئے اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا - خط کے ساتھ تیس ہزار دینار بطور سفر خرچ کے بھیجے ' اس پر امیر غیاث الدین روانہ ہو گیا ' جب سندھ پہنچا تو بادشاہ کی طرف سے اس کا استقبال ہونے لگا - جس شہر میں پہنچتا اس کے قاضی بڑھ بڑھ کر استقبال کرتے - پالم تک یہی حال رہا ' وہاں بادشاہ خود آ پہنچا ' امرا اس کے جلو میں تھے - غیاث الدین نے بادشاہ کو دیکھا تو گھوڑے پر سے اتر پڑا - بادشاہ نے بھی سواری چھوڑ دی - غیاث الدین نے زمین چومی تو بادشاہ نے بھی چومی - امیر غیاث الدین نے کپڑوں کے تھان اور گئی چھڑیں بطور نذر کے پیش کیں - بادشاہ نے شکرے کے ساتھ نذر قبول کر لی اور امیر غیاث الدین کو جھک کر سلام کیا ' پھر ایک تھان کو لے کر اپنے کاندھ پر ڈال لیا ' اتنے میں گھوڑے لائے گئے - بادشاہ نے ایک گھوڑے کو پکڑ کر امیر کے سامنے کہتا کر دیا ' اور اپنے ہاتھ سے اس کی رکاب پکڑ کر کہا آپ سوار ہو جائے - امیر غیاث الدین سوار ہو چکا تو بادشاہ بھی سوار ہو گیا ' پھر امرا بھی سوار ہوئے - شاہی چتر بادشاہ کی طرح امیر غیاث الدین پر بھی لٹایا گیا ' اس کے بعد بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا - یہ سب سے بڑی خاطر تھی ' کھرنکے بادشاہ کسی کو اپنے ہاتھ سے پان نہیں دیا کرتا تھا - جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو شاہی خدمت شہر کے باہر لگا دئے گئے - انہوں میں بادشاہ نے اور امیر غیاث الدین نے قیام کیا - یہاں بھی بادشاہ امیر کی ویسی ہی خاطر کرتا

رہا - صبح کو شہر میں داخلہ ہوا - وہاں بادشاہ نے امیر کی سکونت کے لئے سیدی کا محل مقدر کھا اور سیدی کا سارا شہر مع مکانوں ، باغوں ، زمینوں اور گوداموں کے امیر غیاث الدین کی جاگیر میں دے دیا - اسی پر بس نہیں کی - سو گانوں اور دئے اور دعلی کے مشرق میں بعض علاقوں کی حکومت بھی دے دی اور تیس خچر مع سنہری زینوں کے اس کے حوالے کئے - خچروں کا چارہ دائرہ بھی سرکاری گودام سے مقدر کیا - پھر اور عزت بڑھائی اور یہ اجازت دے کر کہ شاہی محل میں داخل ہوتے وقت گھوڑے سے نہ اترے اور امتیاز بخشا - امیر غیاث الدین بغیر کسی روک ٹوک کے گھوڑا درزاتا محل کے اندر آ جانا اور جس مقام تک بادشاہ سوار ہو کر آتے تھے اسی مقام تک وہ بھی سوار ہو کر جاتا ، اس سے بڑھ کر کون سا اعزاز ہو سکتا تھا ؟

سیدی کے محل کی صفائی اور اس کی آرائش کا انتظام بادشاہ نے اپنے ذمے لے لیا - چند امیروں کو ساتھ لے کر وہ خود محل کے اندر گیا - صفائی اور آرائش ہو گئی تو بہت سا سامان مہیا کیا ، جس میں سونے چاندی کے برتن تھے اور سونے کا ایک غسل خانہ تھا - امیر غیاث الدین محل میں داخل ہو گیا تو بادشاہ نے اسے چار لاکھ دینار بطور سرشوی کے بھجئے اور تین سو دینار روزانہ جیب خرچ کے لئے مقدر کر دئے - جب کبھی امیر دربار میں آتا اور بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوتا تو اسے دیکھتے ہی تخت سے اتر پڑتا اور اگر کسی پر بیٹھا ہوتا تو کھڑا ہو جاتا ، اور غیاث الدین کو اپنے برابر بیٹھا لیتا - ایک مرتبہ امیر غیاث الدین بادشاہ سے ناخوش ہو گیا - وجہ یہ تھی کہ غزنی کا بادشاہ بہرام ہندوستان میں آیا تو سلطان محمد نے اسے سیدی کے شہر میں مقیم کیا دیا ، اور وہیں اس کے لئے محل بنوانا چاہا - اس پر امیر ناخوش ہو گیا - سیدی کا شہر سلطان امیر کو دے چکا تھا اور امیر کی بہرام سے پرانی دشمنی بھی تھی - بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو دس امیروں کے ساتھ امیر غیاث الدین کے مکان پر آیا اور معذرت کرنے لگا - امیر نے بادشاہ کا عذر مان لیا ، مگر بادشاہ کو اطمینان نہ ہوا - کہنے لگا جب تک آپ میری گردن پر اپنا پیر نہ رکھ دیں گے اس وقت تک مجھے آپ کی رضا مندی کا یقین نہ آئیگا - امیر غیاث الدین نے انکار کیا - بادشاہ نے اصرار کیا اور اپنے سر کی قسم دے کر کہا یہ کرنا ہوگا - انہما کہ کر بادشاہ نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی - ملک قبولہ نے امیر غیاث الدین کا پاس اپنے ہاتھ

سے اٹھا کر بادشاہ کی نگردن پر رکھ دیا۔ اس وقت بادشاہ کھڑا ہو گیا اور بولا، 'اب منجھے آپ کی رعنا مندی کا یقین ہو گیا۔ ایسی عجیب و غریب حکایت میں نے کسی بادشاہ کے متعلق آج تک نہیں سنی۔'

سلطان معتمد کے اس طرز عمل نے ضیا الدین برنی اور ابن بطوطہ دونوں کے ہوش حواس دم کر دیے اور دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ لیکن ہمیں تو اس میں نہ حیرانی ہے نہ پریشانی۔ سلطان محمد پندہ سولہ برس کی کشمکش بہت چکا تھا۔ اس دوران میں جو زیادتیوں ہوئیں تھیں یا جو غلطیاں ہو گئی تھیں ان کی نلافی کہا ہو سکتی تھی؟ سلطان نے اس پر غور کیا اور آخر میں جو کچھ کہا بطور کفارے کے کہا۔ خلافت کے ذریعے اس نے ایک نیا قول ڈال دیا چاہا اور مناسب بھی یہی تھا۔ بادشاہ نے ایک طرف تو خلافت کے ذریعے خاص و عام کے خیالات بدلنے چاہے، دوسری طرف اصلاحیں شروع کر دیں، اور اس غرض سے وہ کئی سال تک دہلی میں رہا۔ تاریخ فہرر شاہی میں لکھا ہے کہ سلطان محمد چار سال تک دہلی میں ٹھہرا رہا اور اس عرصے میں اصلاحیں کرنا رہا۔ پیداوار پڑھانے کی غرض سے کاشتکاری کا ایک نیا محکمہ قائم کیا جس کا نام محکمہ اویر کوہی رکھا۔ اس میں نئے نئے عہدے دار مقرر کئے۔ زمین کو تیس تیس مربع گز ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور ہر ٹکڑے میں کاشت کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ بالشت بھر زمین بھی بیکار نہ پڑی وہ، پھر کاشت کی اور فصلوں کی ترتیب اس خوبی سے مقرر کر دی کہ ایک جلس کی کاشت کے بعد دوسری مقررہ مجلس کی کاشت ہونے لگی، مثلاً جڑ کی فصل کٹ جاتی تو گھروں بویا جانا اور گھروں کی فصل کٹ چکتی تو گدا بویا جانا، گدا کٹ چکتا تو انگور اور کھجور کی کاشت ہوتی۔ زراعت کے متعلق بادشاہ نے اور بھی چند قاعدے بنائے جن کا نام اسلوب رکھا۔ یہ اسلوب تھے بہت اچھے۔ ان پر اگر عمل ہو جانا تو پھر ملک کو تھکھنوں سے نجات مل جاتی اور رعایا خوشحال ہو جاتی، کاشت خوب ہوتی، کھیت لہلہاتے، فصلیں کثرت سے تیار ہوتیں اور آمدنی اتنی بوہتی کہ خزانے بھر جاتے، اور لشکر بھی اتنا بڑھتا کہ اگر بادشاہ چاہتا تو اس کے ذریعے ساری دنیا کو فتح کر لیتا۔ غلطی یہ ہوئی کہ کاشت کا کام تھوہیے پر دے دیا گیا۔ سو (۱۰۰) تھوہیے دار مقرر ہوئے جو شہدار کہلائے۔ یہ ایسے لالچی تھے کہ بعضوں نے بسوچے سمجھے ایک لاکھ بیگہ زمین

ہونے اور چوتلے کا تھپیکہ لے لیا۔ اور بعضوں نے تین سال کی زراعت کے بعد زمین کی آمدنی مہوں سے ہزار سوار مہیا کرنے کا ذمہ لے لیا، اور دستاریزیں لکھدیں۔ تھپیکہ داروں کی اس شہمت سے بادشاہ بہت خرم ہوا اور خروشی میں آکر اس نے ان کو بڑے بڑے انعام دئے، اعلیٰ اعلیٰ درجے کے گھوڑے دئے، سندھری کلم کی ہوئی قبائیں دیں، پتکے دئے، اور نقد رقمیں بھی دیں۔ لیکن یہ انعام ہی انعام نہ تھا، اس میں وہ مال بھی شامل تھا جو تھپیکہ داروں کو بطور تقاری کے دیا گیا تھا۔ تین تین لاکھ کے تھپیکے پر پچاس پچاس ہزار کی رقمیں دی گئیں مگر اتنی اتنی بڑی رقموں کا ملنا غضب تھا۔ تھپیکہ داروں نے ایک کہی نہ دو، رقمیں لے لے کر سیدھے ہرے اور خوب گلچہرے اڑائے۔ کاشت کیونکر ہوتی؟ آمدنی کیسے بڑھتی؟ جسقدر پیداوار کے انہوں نے تھپیکہ لئے تھے اس قدر تو زمین پیدا بھی نہ کرسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھپیکے ناکام رہے۔ سلطنت کو سخت نقصان پہونچا۔ دو سال کے اندر ستر لاکھ تھپیکہ داروں کی نذر ہو گئے۔ خزانہ خالی ہو گیا، تھپیکوں کی ایک شرط بھی پوری نہ ہوئی۔ تھپیکہ داروں نے جتنی ہو گئی مگر تھپیکوں کی ایک شرط بھی پوری نہ ہوئی۔ تھپیکہ داروں نے جتنی کاشت کا تھپیکہ لے لیا تھا اس کا ایک ہزارواں حصہ بھی بویا جوتا نہ گیا۔ ملک میں بدامنی شروع ہو گئی اور سلطان کو گجرات، دکن اور سندھ کی مہموں پیش آئیں۔ جو بہت ہی اس نے سوچی تھی ہونے نہ پائی۔ اگر وہ تھپیکے کی مہم سے زندہ لوٹ آتا اور موت اسے ذرا مہلت دے دیتی تو وہ تھپیکہ داروں کی خوب خبر لیتا۔ شاید ان میں کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔

یہ اصلاحیں سلطان محمد نے ہندوستان میں کرنی چاہی تھیں۔ ایسی ہی دکن میں گویں۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ سلطان نے دیو گڑھ اور مہاراشٹر کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی۔ سبب یہ تھا کہ کچھ عرصے سے بادشاہ کو دیو گڑھ کے والی قتلغ خاں کے اور اُس کے اہلکاروں کے متعلق خیانت کی خبریں پہونچ رہی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سرکاری روپیہ غبن ہو رہا ہے جس کی وجہ سے دیو گڑھ اور مہاراشٹر کی آمدنی گھٹتی چلی جاتی ہے۔ پہلے دکن کی مالگداری کئی کر رہی تھی مگر اب ہزار کی کلمتی سے زیادہ نہ رہی تھی۔ بادشاہ نے مہاراشٹر کی مالگداری پھر چھ سات کروڑ تک پہونچانی چاہی اور اس غرض سے مہاراشٹر کو چار شقوں میں تقسیم

کہا - ایک شق پر ملک سردار تدار کو مقرر کیا ، دوسری پر ملک مختلص الملک کو ، تیسری پر یوسف بغرا کو اور چوتھی پر عزیز حصار کو - شقوں کا پورا انتظام بادشاہ نے انہیں شتداروں کے سپرد کر دیا - مہاراشتر کی چار شقوں کے علاوہ بادشاہ نے پانچویں شق دیو گڑھ کی بلائی اور اسے عماد الملک مشیر سلطانی کے حوالے کیا - دیو گڑھ کو دکن کے اور سب علاقوں کی نسبت زیادہ اہمیت تھی - اس سبب سے بادشاہ نے وہاں کے شتدار عماد الملک کا مرتبہ بھی بڑا رکھا - اس کو اور سب شتداروں کا افسر مقرر کر کے وزیر کا خطاب دیا - اور دھارا VART نامی ہندو کو اس کا وزیر مقرر کیا - دھارا نائب وزیر کے لقب سے مشہور ہوا - شقیں قائم ہو گئیں اور شتدار مقرر ہو چکے تو بادشاہ نے وہی اسلوب جو پہلے ہندوستان میں جاری کئے تھے دکن میں بھی جاری کرنے چاہے - اس غرض سے کئی اور سردار مقرر کئے ، اور خاص خاص علاقوں کا انتظام ان کے سپرد کر دیا - ان سب کے نام بادشاہ نے ایک تحریری حکم بھوجا جس کا مقصود یہ تھا ” تمہارے علاقے میں جو بھی سلطنت کا بد خواہ ہو اور جو کوئی تمہیں سرکش نظر آئے اس کو فوراً قتل کر دو - امن سے وہی لوگ رہنے پائیں جو سرکاری قواعد و قوانین کی پابندی کریں “ اسی سلسلے میں بادشاہ نے قتلغ خاں کو مع اس کے کل سانپوں کے دیو گڑھ سے بلا لیا -

شمالی علاقوں کی وحشت ناک خبریں عرصے سے دکن پہنچ رہی تھیں ، جنہیں سن سن کر دکن والوں کو بادشاہ کی طرف سے بدگمانیاں ہو رہی تھیں - ان کا یہ خیال تھا کہ ” بادشاہ کی سیاست سے اس وقت تک جو ہم بچے رہے ہوئے تو قتلغ خاں کے سبب سے “ اور یہ خیال ایک حد تک تھا بھی درست - قتلغ خاں دکن میں ایذا اثر جما چکا تھا - بہت سے باغی اور مجرم اس کے پاس بھاگ بھاگ کر آتے تھے اور پناہ لیتے تھے - اس نے قتلغ خاں کے ساتھ اس کے کل آدمیوں کو بھی دیو گڑھ سے علیحدہ کر کے دہلی کی طرف روانہ کر دیا اور قتلغ خاں کی جگہ اس کے بھائی نظام الدین کو بھروسے سے بلا کر دیو گڑھ کا عارضی طور سے حاکم بنا دیا - چاہتا یہ تھا کہ اس عہدے پر بہترین شخص مقرر کیا جائے ، مگر قتلغ خاں کا دکن سے جانا تھا کہ امیروں میں بے اطمینانی پیدا ہو گئی اور سارے دکن میں بے چینی سی پھیل گئی - ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ برا وقت آنے والا ہے اور دکنہوں پر وہی مصیبتیں نازل ہونے والی ہیں جو اب تک ہندوستانوں پر نازل ہوتی رہی تھیں -

دکن کی طرح بادشاہ نے مالوے میں بھی نیا انتظام کیا - عزیز حمار کو جسے مورخوں نے ردیل لکھا ہے مالوے کا حاکم بنا دیا - وہاں بھی سلطان محمد نے وہی اصلاحیں کیں جو دواپے میں یا ہندوستان میں اور دکن میں کی تھیں

وہ اصلاحیں کر رہا تھا اور رفاہ عام کے کاموں میں مصروف تھا ، لیکن دشمن فساد کی آگ سلگانے میں لگے ہوئے تھے - تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ بادشاہ کاشت بڑھانے اور ثقاوی تقسیم کرنے میں مشغول تھا کہ ملتان سے شاہو افغان کی بغاوت کی خبر پہونچتی - یہ معلوم ہوا کہ شاہو افغان نے ملتان کے نائب بہزاد نامی کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہے - بادشاہ شاہو افغان کی سرکوبی کے لئے دہلی سے روانہ ہوا اور ملتان کی طرف چلا - بہت دور نہ گیا تھا کہ دہلی میں سلطان کی والدہ مخدومہ جہاں کا انتقال ہو گیا - یہ خبر بادشاہ کو راستے میں ملی ، اسے یہ حد رنج ہوا - جس جگہ خبر ملی تھی اسی جگہ صف ماتم بچھا دی ، اور کئی روز تک تھہرا رہا ، پھر ملتان کی طرف بڑھا - قریب پہونچتا تو شاہو افغان کی عرضی ملی اس نے اپنی تقصیروں کا اقرار کیا تھا اور اطاعت کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی تھی - ادھر تو شاہو افغان نے بادشاہ کو یہ عرضی پہونچی ادھر وہ ملتان چھوڑ کر افغانستان کی طرف چلا گیا - بادشاہ کو خبر پہونچی تو وہ بھی دہلی کو لوٹ گیا -

ملتان کے فساد کو کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ سنم اور سامانہ میں فساد اُٹھ کھڑا ہوا - باغیوں نے خراج دینا چھوڑ دیا - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ بادشاہ ملتان سے لوٹا تو سنم آیا ، وہاں سے روانہ ہوا تو اگروہ پہونچا - چند روز بعد پھر کوچ کیا اور سفر کرتا ہوا دہلی آیا ، پھر دہلی سے لشکر لے کر نکلا اور سنم اور سامانہ کے باغیوں کو جا گھیرا - باغیوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا تھا اور فساد پر کمر باندھ لی تھی ، اور حفاظت کی غرض سے مضبوط مضبوط مکان بنا لئے تھے - بادشاہ نے ان مکانوں کو ویران کر دیا ، باغیوں کی جمیعت کو پریشان کر دیا ، اور ان کے سرغنوں کو پکڑ کر دہلی لے آیا - بعض تو مسلمان ہو گئے ، بعض امیروں کی جماعت میں داخل ہو کر دہلی میں رہنے لگے - یہ بغاوتیں سنہ ۷۲۲ھ اور سنہ ۳۲۳ع میں ہوئیں -

منتخبیات التواریخ میں سنم اور سامانے کی بغاوتوں کا جو حالہ لکھا ہے وہ اور سب تاریخوں سے مختلف ہے - اور مورخوں کے نزدیک تو سنم - سامانہ -

کتھیل اور کھرام کے ہندوؤں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تھا - وہ اپنی اپنی بستھوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے تھے - جہاں موقع ملتا وہیں ڈاکے ڈالتے ، مسافروں کو لوٹتے - آخر بادشاہ نے جاکر ان کا سر کچلا اور ان کے سرغٹوں کو گرفتار کر کے دہلی لے آیا لیکن ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ سنام اور سامانے میں سیدوں اور مسلمانوں نے شورش کی تھی - ان میں سے بہت سے حسن کانگو بہمنی کے قبیلے والے تھے جن کا ذلیل کرنا بادشاہ کو مقصود تھا - اس نے وہاں کے سیدوں اور مسلمانوں کا قتل عام کرایا - جب سادات کا اور اہل اسلام کا خون بہہ گیا تو بادشاہ نے سنام اور سامانہ کے ہندوؤں کے سانہہ رعایتیں کیں پھر انہیں دہلی کی جانب لے گیا - وہاں انہیں جاکویریں دیں اور زرق برق وردیاں اور سنہری پیتھیاں دے کر وہیں آباد کر دیا -

سلطان محمد کا بڑھاپا آگیا اور وہ لاکھوں جتن کر چکا ، پر نہ بغاوتیں دور ہوئیں نہ دشمن دور ہوئے - چوں چوں زمانہ گزرتا گیا نئی نئی بغاوتیں اٹھتی گئیں اور نئے نئے دشمن پیدا ہوتے گئے - آخری زمانے میں جب کہ سلطان کی طاقتیں زائل ہو رہی تھیں اور اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا امہران صدہ کی بغاوتیں شروع ہو گئیں - قاضی جلال ، منہ افغان ، حسن کانگو اور طاعی جیسے دشمن نمودار ہو گئے -

امہران صدہ کی بغاوتیں مالوے سے شروع ہوئیں - تاریخ فہروز شاہی میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے اپنی سلطنت میں اصلاحیں کیں تو قتاغ خان کو دیو گڑھ سے نکال دیا اور عزیز حمار چھوٹے کمبھنے کو دھار کا حاکم بنادیا - دھار مالوے کا پایہ تخت تھا - بادشاہ نے سارا مالوہ عزیز کے حوالے کر دیا اور کئی لاکھ تلمکے بھی دئے - پھر اس سے کہا ” عزیز ! تم دیکھ رہے ہو ، مہری سلطنت میں ہر طرف پچھیتی ہے ، فساد ہو رہا ہے ، دشمن نکلے چلے آتے ہیں ، میں نے یہ سنا ہے کہ ساری شورش کے بانی امہران صدہ ہیں - جو شخص بھی میری مخالفت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور مہری دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے اس کے پشتی پر بھی امہران صدہ ہوتے ہیں - میں تمہیں مالوے کا حاکم بنا کر بھیجتا ہوں - وہاں کے امہران صدہ کو تم جانتے ہی ہو - ان میں سے جس کسی کو شیر پر یا مفسد دیکھو اسے ضرور ہٹک کر دینا - مالوے کو تم باغیوں سے پاک کر دو گے تو پھر امید ہے کہ اور کام بھی کر سکو گے “ -

عزیزِ اترانا ہوا مالوے کی طرف چل دیا اور اپنے ہی جیسے اور بہت سے کم اصلوں اور کمیلوں کو ساتھ لے کر دھار پہنچا۔ وہاں اس کو صلاح کار بھی اُسی جیسے ملے۔ ایک روز ان کے مشورے سے عزیز نے دھار کی نواح میں اُسی (۱۰۰) امیرانِ صدہ کو پکڑ بلایا۔ پہلے ان کو سخت سست کہا پھر ان پر دیو گڑھ کے امیرانِ صدہ کی سازش کا الزام لگا کر ان کی گردنیں کٹوا دیں۔

عزیز کو یہ خیال نہ آیا کہ اتنا بڑا قتل خالی نہ جائیگا۔ جگہ جگہ امیرانِ صدہ میں ہل چل پڑ جائیگی۔ امیرانِ صدہ لشکر میں بھی ہیں اگر وہ سب باقی ہو گئے تو کیا ہوگا؟

دھار کے واقعے کی خبر دم کے دم میں چاروں طرف پھیل گئی۔ ہر طرف چرچہ ہوئے لگے۔ دیو گڑھ میں اور گجرات غل مچ گیا کہ اب امیرانِ صدہ کی خیر نہیں۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کرنا شروع کیا اور جتھے بنا کر باقی ہو گئے۔ پھر کیا تھا؟ سلطنتِ دلدل میں پھنس گئی اور بادشاہِ خطاروں میں گھر گیا۔ ع۔ اے بادشاہِ این ہمہ آردہ تست۔ یہ ساری مصیبتیں لائی ہوئی مہاں عزیز کی تھیں۔ اسے بادشا کی نوازشوں پر بڑا زعم تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں نے بادشاہ کی بڑی خدمت کی ہے، خاطر خواہ اس کے حکم کی تعمیل کی ہے، اسی گھمٹ میں اس نے بادشاہ کو یہ واقعہ لکھ بھیجا۔ بادشاہ بھی انجام تک نہ پہنچا۔ عزیز نے غلطی کی تو بادشاہ نے آنکھیں بند کر کے اس کی طرفداری کی۔ گویا سلطنت کا وقار قائم رہ سکتا تھا تو اُسی طریقے سے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سلطانِ عزیز کی طرفداری نہ کرتا۔ اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔ عدولِ حکمی کی تھی۔ نتیجتاً یہ ہوا کہ مخالفینِ بڑھ گئیں۔ امیرانِ صدہ کی خونریزی رنگ لائی۔ ان کے خون کے ایک ایک قطرے سے دشمن پیدا ہو گئے۔ بدامنی کا دور شروع ہو گیا۔ گجرات کا نائب وزیرِ مقبل نامی گجرات کا خزانہ اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے گھوڑے لئے دیہوی اور بڑودھ کے راستے دفلی جا رہا تھا۔ وہاں کے امیرانِ صدہ اس پر قوت پڑے، سارا خزانہ لوٹ کر اور گھوڑے چھین کر لے گئے۔ مقبل کے پاس قیمتی قیمتی تحفے تھے جنہیں گجرات کے سوداگروں نے بادشاہ کے لئے بھیجا تھا وہ بھی باغیوں نے چھین لئے۔ مقبل کے ساتھی منتشر ہو گئے، وہ خون لٹ لٹا کر خالی ہاتھ نہروالے کی طرف چلا گیا۔ دیہوی اور بڑودھ کے امیرانِ صدہ نے قوت حاصل

کرلی تو فتحنامہ فساد کی آگ دور دور بھڑکادی اور جتھے بنا بنا کر کھمبایات پر جاچڑھے گجرات میں فدر مچ گیا۔

اس فدر کا حال ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں موجود ہے لیکن سفر نامے میں نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ہی ابن بطوطہ ہندوستان چھوڑ چکا تھا۔ وہ بائیس جنوری سنہ ۱۳۳۲ء کو سلطان محمد کی طرف سے سفیر بن کر چھین روانہ ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے قاضی جلال کی بغاوت کا حال لکھا ہے جس میں اس فدر کی طرف اور دکن اور گجرات کے فساد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قاضی جلال کی بغاوت کا حال ابن بطوطہ نے واپس آکر معبر میں سنا ہوگا۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ قاضی جلال یتھان تھا اور یتھانوں کی ایک جماعت کے سانہ کھمبایات اور بھڑچ کے پاس رہا کرتا تھا۔ جب بادشاہ نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ یتھانوں کو پکڑ لو تو ملک مقبل کے نام بھی جو رزہ کی طرف سے گجرات اور نہر والے میں نائب تھا یہ حکم بھجھا کہ قاضی جلال کو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لو..... قاضی جلال کو خبر ہو گئی..... وہ ملک مقبل کے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا اور تین سو زہ پڑھ سپاہی لے آیا۔ ملک مقبل تر گیا اور اس سے در گزرا۔ اُس وقت قاضی جلال نے بغاوت کی۔ اور کھمبایات میں داخل ہو کر خزانہ لوٹ لیا۔ رعیت کو بھی لوٹا۔ ابن الکوملی تاجر کو بھی نہ چھوڑا۔ قاضی جلال نے ملک مقبل کو بھی شکست دی اور ملک عزیز حمار کو بھی۔ اور پھر تو اس کا حوصلہ اتلا بڑھا کہ خود سلطنت کا دعویٰ ڈار ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کی طرف کئی لشکر بھیجے۔ آخر چوں توں کر کے شکست دی۔ اسی بغاوت کے دوران میں یتھانوں کی بغاوت دولت آباد میں شروع ہو گئی جس کا سرغلہ اسماعیل مینگ افغان تھا۔

ابن بطوطہ کا بیان ادھر ہوا ہے۔ لیکن اس سے ان واقعات کی تائید ہوتی ہے جنہیں ضیاء الدین برنی نے تفصیل سے لکھا ہے۔ قاضی جلال کی بغاوت سے امیران مدہ کی شورشیں ثابت ہوتی ہیں اور گجرات کے اس فدر کا پتہ چلتا ہے جس نے سلطان محمد کو پریشان کر دیا۔ اس فدر کو دور کرنے کی غرض سے سلطان نے خود گجرات جانے کا ارادہ کر لیا۔ فتح نامہ خاں کو معلوم ہوا تو اس نے ضیاء الدین برنی کی معرفت کہلا بھجھا۔ ”جہاں پٹالہ۔ دہیوی اور بڑدھ کے

امیران صدہ کی کہا حقیقت ہے - حضور ان کے مقابلے پر کیوں جائیں؟ مجھے اندیشہ ہے کہ حضور کے جانے سے ان کی شورش بڑھ نہ جائے - جم کر اعلیٰ حضرت کا مقابلہ کرنے سے تو رہے - ادھر ادھر بھاگ جائیں گے - زمینداروں کے پاس جا جا کر چھپ جائیں گے - یا کہیں اور نکل جائیں گے - معاملہ بڑھ جائے گا - ناحق قتل کا پہاڑ بن جائے گا - دوسرے علاقوں کے امیران صدہ بھی خوف کھا کر ہاتھوں سے جا ملیں گے - مناسب یہ ہے کہ جہاں پناہ - فدوی کو حکم دے دیں - فوج بھی چاہے نہ دیں - میرے پاس سرکار کی بخشش ہوئی دولت ابھی تک اتنی ہے کہ اسی سے ایک بڑا لشکر جمع کر لوں گا اسے لے کر میں دیہوئی اور بڑودہم جا چڑھوں گا - فساد کی سلگتی ہوئی آگ کو بجھاؤں گا اور باغیوں کو گرفتار کر کے جہاں پناہ کے حضور میں لے آؤں گا - سرکار کو یاد ہوگا کہ شہاب سلطانی اور علی شاہ - کر - دکن میں باقی ہوئے تھے تو میں نے بھی بیدار پھونچ کر ان کو بے در کہا تھا - اور گرفتار کر کے مجرموں کی طرح دربار میں بھیج دیا تھا - بس اسی طرح میں گجرات کے باغیوں کو بھیج دوں گا - جہاں پناہ اپنے اس قدیمی نمک خوار کو اعزاز بخشیں اور اس پر بھروسہ کریں تو کہہ دیتا ہوں کہ گجرات کی سر زمین فتنے فساد سے پاک ہو جائے گی اور وہاں امن قائم ہو جائے گا -“

سلطان محمد نے قتلغ خاں کی بات نہ مانی - ضیاء الدین برنی کے نزدیک اس نے بڑی غلطی کی - اگر مان لیتا تو ہلاکتوں سے بچ جاتا اور دکن میں بہمنی سلطنت قائم نہ ہونے پائی لیکن سلطان کو قتلغ خاں سے بدگمانی ہو چکی تھی - اگر نہ ہوئی ہوتی تو وہ اس کو دولت آباد ہی سے کیوں ہٹاتا؟ اب اس کو گجرات کی مہم پر بھیجتا ہے عقلی تھی - دوسرا کپوٹی لایق اور بھروسے کا سردار ہوتا تو مضائقہ نہ تھا - لیکن اس بارے میں سلطان بڑا بدقسمت تھا - اس کو نہ تو اچھے سردار ملے تھے اور نہ بہادر اور جاں نثار سپہ سالار - اور نہ قابل مشیر - اس کا سب سے چھٹتا اور بھروسے کا سردار ملک فیروز تھا - اسی کو وہ گجرات بھیجتا مگر نہ تو ملک فیروز میں جنگ کی قابلیتیں تھیں اور نہ اس کے اور سلطان محمد کے خیالات میں موافقت تھی - سلطان کو بڑی فکر اب یہی تھی کہ در و دیوار مخالف ہو رہے ہیں - اپنے پرانے ہوئے جاتے ہیں -

بلی کے وقت میں لاکھوں نثار ہوتے ہیں

بلی نہ بگڑے کہ دشمن ہزار ہوتے ہیں

غرض سلطان نے قتلغ خاں کے پیام کا جواب نہ دیا - اپنی ہی روانگی کی تہانے دھا - اور لشکر کی تیاری میں مصروف ہو گیا - معلوم ہوتا ہے کہ اُس فوج کے علاوہ جو پایہ تخت میں تھی بادشاہ نے دور دور سے فوجیں منگوائیں - تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ ”بادشاہ نے گجرات کے حاکم شیخ معزالدین کو تیس لاکھ تھکے نقد بھیجے اور فرمان جاری کیا کہ اُس رقم سے دو تین روز میں سواروں کا ایک رسالہ تیار کرلو - اور جب ہم گجرات پہنچیں تو اُس رسالے کو لیے کر استقبال کو نکلتا اور پھر کمک کے لئے لشکر کے ساتھ ساتھ چلنا“ - لشکر کی تیاری کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے دہلی میں اپنی تباہت کا انتظام بھی کیا ملک فیروز اور ملک کبیر اور احمد ایاز کی ایک ریجنل کونسل (Regency Council) یا مجلس نہایت بنائی - اور خود گجرات کی طرف روانہ ہو گیا - رمضان کا مہینہ تھا - بادشاہ روزے رکھ رہا تھا - روزوں ہی میں اس نے دہلی کو چھوڑا اور سفر اختیار کیا - اس سفر سے وہ زندہ نہ لوٹا - سات سال بعد مر کر آیا -

گجرات پہنچتے ہی وہ مصیبتوں میں گھر گیا - چھ سات سال تک لوٹا رہا اور ادھر ادھر پھرتا پھرتا - پایہ تخت میں اس کے واپس آنے کی امید بھی نہ رہی - سب کچھ ہوا مگر ہندوستان میں بغاوت کا تو کیا ذکر سرکشی تک نہ ہونے پائی - یہ اس کی حسن تدبیر کا نتیجہ تھا - اس نے پہلے بادشاہوں کی طرح نہایت کا کام کسی ایک شخص کے حوالے نہیں کیا تھا - بلکہ تین معتبر آدمیوں کی ایک انتظامیہ کمیٹی بنا دی تھی - ایسا نہ کرتا تو بد نظمی کا اندیشہ تھا -

دہلی سے چل کر بادشاہ پندرہ کوس کے فاصلے پر سلطان پور کے شہر میں اُترا - رمضان ختم ہونے میں تین چار روز باقی تھے - عید سے پہلے اس کو عزیز حمار کا وہ خط ملا جو اُس نے دھار سے بھیجا تھا - لکھا تھا کہ ”دبھوی اور بڑوہم کے امیران صدہ نے بہت سر اٹھا رکھا ہے - بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا ہے - میں اُن سے قریب ہوں - لشکر جمع کر کے ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا ہوں“ - اتنا پڑھتے ہی بادشاہ کا مانہا تھکا - دل میں کہنے لگا ”عزیز جنگ کے طریقوں سے تو واقف ہے نہیں - لڑے گا کیا خاک؟ ایسا نہ ہو کہ یاغیوں کا شکار بن جائے“ وہی ہوا - تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ عزیز مارا گیا - یہ سن کر بادشاہ گھبرا گیا - خیال آیا کہ یہ مصیبتیں شاید میرے ہی تشدد کی وجہ سے

نازل ہو رہی ہیں - پھر کچھ سوچ کر ضیاء الدین برنی کو بلایا - اسے اپنے دل کا حال سنایا اور پوچھا کہ سزاؤں کے متعلق پہلے بادشاہوں کا کیا دستور تھا ؟

سلطان محمد پہلے بادشاہوں کی تاریخ سے بے خبر نہ تھا - مگر اس وقت تھا بہت پردیشیان - جب تردادات کا ہجوم ہوتا ہے اور اپنی عقل کام کرتی نظر نہیں آتی تو انسان دوسروں سے ہمدردی کی توقع کرنے لگتا ہے - سلطان کا یہی حال تھا - اس کو ضیاء الدین برنی سے ہمدردی کی توقع تھی - اس لئے اس سے دل کی بات کہہ دی - ضیاء الدین برنی موقع کی تلاش میں تھا - موقع مل گیا تو تاریخ کسروی کا حوالہ دے کر کہنے لگا ”بادشاہ سلامت آپ خوریزمی بہت کرتے ہیں - اگر آپ اس میں کمی نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ سلطنت کا انتظام کسی اور کے سپرد کر دیجئے“ - اس جواب کا بادشاہ پر کچھ اثر نہ ہوا - گویا یہ بات اسے پہلے ہی سے معلوم تھی - بولا ”جمشید کا زمانہ اور تھا ، میرا زمانہ اور ہے ، میرے زمانے میں تو شیر اور سرکشی آدمی اُبل پڑے ہیں میں ان کو سزائیں دیتا ہوں اور ذرا سی نافرمانی پر بھی در گذر نہیں کرتا - میں چاہتا ہوں کہ یہ لوگ راہ راست پر آجائیں اور سدھو جائیں - اگر نہ سدھریں گے تو ان کو مارتے مارتے میں خود ہی مر جائیں گے - دوسرا ایسا کون ہے جو اس ارے وقت میں میرا ہاتھ بٹائے - ایسا کون ہے جس کے کندھوں پر میں سلطنت کا بوجھ رکھ دوں - میں جانتا ہوں کہ سارا ملک اکتھا ہی میرے خلاف ہو گیا ہے - میں نے اس ملک کے باشندوں پر کتنی دولت لگائی - کوسا انہوں کو مال کیا - افسوس ! آج میرے ملک میں سے ایک بھی میرا سچا ہمدرد مخلص اور مددگار نہیں - خیر - اب مجھے بھی لوگوں کے مزاج سے آگاہی ہو گئی ہے - جانتا ہوں کہ وہ سب میرے دشمن ہیں - میرے مخالف ہیں“ -

اس تقریر کے ایک ایک لفظ سے تپکتا ہے کہ سلطان محمد کا دل چلا ہوا ہے - اس کا خون کھول رہا ہے - اس کو اُن لوگوں کی بے وفائی کا جن پر وہ برابر احسان کرتا چلا آیا تھا بہت صدمہ ہے - سلطان کم ظرف نہ تھا - وہ سب کے ساتھ نہکیا کرتا اور نہکیا کر کے بھول جاتا - ہر ایک پر احسان کرتا لیکن احسان کر کے کبھی نہ جتنا - لوگوں نے بڑی احسان فراموشی کی - نہکیوں کے بدلے بدیاں کرنے لگے - سلطان کو سخت صدمہ پہونچا اور بانوں باتوں میں چند کلمے اس کی زبان سے نکل گئے -

عہد الفطر بادشاہ کو سلطان پور میں گزری - عید کے دوسرے دن ۱۳ فروری سنہ ۱۳۲۵ء کو وہاں سے روانہ ہوا اور نہر والے تک برابر سفر کرتا رہا - نہر والے سے کچھ فوج دیہوی اور بڑوڑے کے باغیوں کے مقابلے میں بھیجی - باغیوں کو مقابلے کی کہاں تاب تھی - فوج کو آنا دیکھا تو جانیں بچا بچا کر دیو گڑھ کی طرف بھاگ گئے - بادشاہ نہر والے سے آگے بڑھا اور آہو پہاڑ سے ہوتا ہوا بھروچ جا پہونچا -

معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۳۲۵ء کے ستمبر یا اکتوبر میں بادشاہ بھروچ پہنچ گیا وہاں شاہی خیمہ نصب کر دیا گیا اور لشکر نے چھاؤنی ڈال دی - زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ گزرا ہوگا کہ حاجی رجب مصر سے لوٹا اور اپنے ساتھ خلیفہ عباسی الحاکم ثانی کے سفیر شیخ رکن الدین کو لے کر بھروچ آیا - اس واقعے کی تاریخ رجب سنہ ۷۲۶ھ (نومبر سنہ ۱۳۲۵ء) بدر چاچ کے اس شعر سے نکلتی ہے -

ہم بتاریخ کہ ماہ و سال ہفتصد شد فزون
زیں سفر ماہ متحرم سابق شعبان رسید

تاریخ فیروز شاہی سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے - جہاں اس میں یہ لکھا ہے کہ خلیفہ عباسی کا اجازت نامہ لے کر حاجی سعید صوری سنہ ۷۲۲ھ میں آیا - وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ حاجی سعید کے آنے کے بعد سلطان محمد نے حاجی رجب کو خلیفہ کے پاس بھیجا اور حاجی رجب شیخ رکن الدین کو ساتھ لے کر دو سال بعد (سنہ ۷۲۶ھ میں) لوٹا -

بھروچ میں بادشاہ کو خبر ملی کہ دیہوی اور بڑوڑھ کے باغی بیچ بچتا کر دیو گڑھ کی طرف بھاگ گئے ہیں - یہ سن کر بادشاہ سوچ میں پڑ گیا - دل ہی دل میں کہنے لگا - ”خدا یا - ان باغیوں پر کہوں کر قابو پائوں؟“ پھر فوراً ہی اس نے ملک مقبول نائب وزیر کو باغیوں کے تعاقب میں روانہ کیا - ملک مقبول نے دیو گڑھ کے پاس باغیوں کو جا گھیرا - ان کا مال اسباب لوٹ لیا - اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا - پھر بھی کچھ باغی بھاگ نکلے اور بگلانے کے حاکم مان دیو کے پاس جا پہونچے - اُس نے بجائے اسان دینے کے انہیں گرفتار کر لیا - اور ان کا مال اسباب لوٹ لیا -

بادشاہ بھروچ میں تھہرا رہا - وہاں کی مالگذاری کئی سال سے وصول نہیں ہرٹی تھی - اسے وصول کرنے میں مصروف ہو گیا - روپیہ آسانی سے

وصول نہ ہوا تو سختی سے کام لیا۔ یہ سختی امیرانِ صده پر ہوئی۔ فرشتے نے لکھا ہے کہ باغیوں اور فسادیوں کو بادشاہ نے چن چن کر قتل کیا۔ مگر قتلے کی آگ قتل کے ساتھ بھڑکتی چلی گئی۔ بادشاہ تلگ آگیا۔ سب باغیوں اور مفسدوں کا جھگڑا ایک دم ہی مٹا دیئے کی تھان لی۔ دیو گڑم سے ملک مقبول کو بھروچ بلایا اور باغیوں کا سر کچلے اور انہیں نیست و نابود کرنے پر مامور کر دیا۔ ملک مقبول کے سامنے عزیز حمار کی مثال موجود تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے عزیز کا سا طریقہ اختیار کیا۔ پہلے تو بھروچ کے بڑے بڑے امیروں کو گرفتار کر لیا۔ پھر ایک ہی وار میں ان سب کو قتل کر دیا۔ ابھی دھار کی خونریزی کو لوگ بھولے نہ تھے اور عزیز حمار کی پررحمی ان کے دلوں سے دور نہیں ہوئی تھی کہ بھروچ کی ایک اور خونریزی ہوگئی۔ وہ امیرانِ صده کا پہلا قتل تھا۔ یہ ان کا دوسرا قتل ہوگیا، مگر اس پر بھی امیرانِ صده کا خاتمہ نہ ہوا بہت سے بچ نکلے۔ کچھ تو دیو گڑم کی طرف بھاگ گئے اور کچھ گجرات کے زمینداروں، چودھریوں اور پتھلوں سے جا ملے۔

بادشاہ کو بھروچ میں ساتھ، آٹھ مہینے گزر گئے اور وہ برابر بغاوتوں کے مٹانے میں لگا رہا لیکن بغاوتیں کسی عنوان نہ ملیں۔ مٹنا کیسا دیو گڑم سے لے کر گجرات تک پھیل گئیں۔ سنہ ۷۴۶ھ کا سارا سال اسی حالت میں ختم ہوگیا۔ سنہ ۷۴۷ھ کا نیا سال شروع ہوا تو بادشاہ نے زین بلدے اور رکن تھانیسری کے ملجھلے بیٹے کو باغیوں کے تعائب میں دیو گڑم روانہ کیا۔ روانہ کر چکا تو خہال آیا کہ ان باغی امیرانِ صده کو اور ان کے کل ساتھیوں کو اپنے ہی سامنے بلا کر قتل کرنا چاہئے۔ یہ سوچ کر امیر خسرو کے عزیز ملک علی سرجامدار اور ملک لاچھن کو قتلخ خاں کے بھائی عالم الملک کے پاس بھیجا اور اس کے نام یہ فرمان لکھا ”دولت آباد کے بڑے بڑے امیرانِ صده کو پکڑ کر ملک علی سرجامدار اور ملک لاچھن کے ہمراہ ہمارے پاس بھیج دو اور ان کے ساتھ تیرہ تیرہ ہزار سواروں کی فوج بھی کر دینا۔ عالم الملک نے راجپور، مدگل، گلدیرگہ، بھیجا پر، گلجوتی، ایباغ، کلہر، ہکری اور براو وغیرہ کے امیرانِ صده کو دولت آباد میں بلایا، لیکن بادشاہ کی سختیاں سلتے ہی وہ تھہک گئے۔ دولت آباد تک جانے میں پس و پیش کرنے لگے۔ عالم الملک نے ملک علی

سرجامدار اور ملک لاجپن کو قیومہ ہزار سوار دے کر مال گزاری وصول کرنے کے نام سے دولت آباد کے علاقے میں بھیجا۔ ان دونوں نے امیران صدہ کے سرداروں کو یعنی نصیرالدین تلعبی، حسام الدین، اسمعیل منہ اور حسن گلگو کو جو گلبرگہ میں جمع ہو رہے تھے گرفتار کر کے دولت آباد بھیج دیا۔ وہاں سے ان سب کو عالم الملک نے بادشاہ کے پاس بھروچ روانہ کر دیا۔ راستے میں وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے ”بادشاہ نے ہم کو کیوں بلایا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ قتل ہونا ہی ہے تو پھر بکریوں کی طرح عاجزی سے کیوں قتل ہوں؟ چاہیے کہ لوت چلیں اور بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیں“۔ یہ طے کر کے وہ شاہی افسروں پر توت پڑے۔ ملک احمد لاجپن کو مار گرایا اور اس کا مال اسباب لوت لیا۔ ملک علی سرجامدار نے یہ ہلکامہ دیکھا تو اُلٹے پیروں بھاگا۔ امیران صدہ کا حوصلہ بڑھ گیا۔ ان کے قدم دولت آباد کی طرف بڑھے اور انہوں نے قلع کا محاصرہ کر لیا۔ دولت آباد پر ان کا قبضہ ہو گیا اور عالم الملک ان کے پنجے میں آ گیا۔ اُس کی پہلی نیکیاں یاد کر کے امیران صدہ نے عالم الملک کی تو جان بخشی کر دی مگر اور شاہی افسروں کو قتل کر ڈالا اور دولت آباد کا خزانہ آپس میں تقسیم کر لیا۔ پھر ملک مل افغان کے بھائی ملک منہ افغان کو ایذا سردار بنا لیا۔ منہ افغان خود بھی دیو گڑھ کے امیران صدہ میں سے تھا۔ غرض امیران صدہ نے سارے مہاراشٹر پر قبضہ کر کے اپنی حکومت جما لی۔ پھر اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ایک حصہ ایک ایک امیر کے ہاتھ آیا۔ امیران صدہ کا ستارہ عروج پر دیکھا اور ان کی طوطی بولتے سنی تو اس نواح کے اور مفسد بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ دیہوئی اور بڑودہ کے امیران صدہ رانا مان دیو کی قید میں تھے۔ اب وہ چھوڑ گئے۔ اور دیو گڑھ کے باغیوں سے آ ملے۔ اس طرح دیو گڑھ اور اس کی نواح پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۴۷۲ھ/۱۳۶۶ع میں ہوا۔

تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ اُس واقعے کی وحشتناک خبر جونہی سلطان محمد نے سنی وہ لشکر لے کر چلا اور دیو گڑھ پر جا چڑھا۔ باغیوں نے مقابلہ کیا، لیکن ان میں سے ایک بھی نہ تھو سکا۔ اسمعیل افغان ان کا سرغنہ تھا۔ وہ بھی شکست کھا کر بھاگا اور دولت آباد کے قلعے میں جا بیٹھا۔ وہ امیران صدہ جو قلواری سے بچ نکلے تھے بھاگے۔ کچھ تو اسی قلعے میں آ گئے اور کچھ اپنے اپنے علاقوں میں جا چھپے۔ بھاگنے والوں

میں حسن گلگو بھی تھا اور منہ افغان کے رشتہ دار بھی - تاریخ فرشتہ
 میں ہے کہ اس وحشت ناک خبر کو بادشاہ نے بھڑوچ میں سنا ، سنتے ہی
 وہاں سے چل پڑا اور اس تیزی سے چلا کہ اسی سال دولت آباد جا پہونچا -
 دولت آباد کے امیران صدہ لڑائی پر تلے ہوئے تھے - وہ ایسا جی توڑ کر اور
 جان چھوڑ کر لڑے کہ شاہی لشکر کا مہمٹہ اور میسرہ درہم برہم ہو گیا - قریب
 تھا کہ بادشاہ زخمی ہو جائے ، یکایک امیران صدہ کا ایک بڑا سردار قتل ہو
 گیا اور اس کے رسالے کے چار ہزار سوار بھاگ نکلے - رات ہو گئی تھی -
 اندھیرے میں انہیں ایک دوسرے کی خبر نہ رہی - پھر بھی وہ ایک جگہ
 اکٹھے ہو گئے ، اور آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ اسمعیل منہ اپنے
 ساتھیوں کو لے کر دولت آباد کے قلعے میں ہو بیٹھے - باقی امیر گلبرگہ چلے جائیں -
 وہاں اپنی اپنی جاگہروں کی دیکھ بھال کریں - جب بادشاہ دکن سے چلا
 جائے تو پھر سب امیر دولت آباد میں جمع ہو جائیں اور اپنے اپنے کاموں میں
 مشغول ہو جائیں - اس فیصلے کے مطابق اسمعیل منہ اپنے ساتھیوں کو لے کر
 دولت آباد کے قلعے میں داخل ہو گیا - وہاں غلہ خوب بھرا ہوا تھا اور
 سب ضروری چیزیں بھی موجود تھیں - باقی امیر اپنی اپنی جاگہروں
 میں چلے گئے -

شیوالدین بونی نے لکھا ہے کہ دیو گڑہ کی یہ بغاوت عام تھی - جس
 میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے - شکست ہو گئی تو دونوں ہی کو نقصان
 پہونچا - شاہی فوجوں نے باغیوں کو لوٹ لیا - مگر بادشاہ نے کسی قسم کی
 زیادتی روا نہ رکھی - وہ صرف سرغلوں کو گرفتار کرنا چاہتا تھا جو ہر معرکے
 سے بچ کر نکل بھاگتے تھے - اب کے بھی جب بادشاہ نے دولت آباد کا سختی سے
 محاصرہ کیا تو سرغنے بھاگ نکلے - ان میں کچھ تو بوند کے باغی تھے ، کچھ
 اسمعیل منہ کے بھائی بند تھے - ان ہی کے ساتھ حسن گلگو تھا - یہ سب
 دولت آباد سے بھاگ کر گلبرگہ پہونچے - سلطان محمد نے عماد الملک سرتیز
 کو ایلچھور سے بلایا اور فوج دے کر ان باغیوں کے تعاقب میں گلبرگہ کی طرف
 روانہ کیا اور اسی وقت دہلی کے مسلمانوں کو واپس دہلی بھجوا دیا - ساتھ
 ہی ملک فیروز کے اور احمد آباد کے نام فتح نامہ بھیجے - جن کے پہونچتے ہی
 دہلی میں فتح کا اعلان کر دیا گیا اور خوشیاں منائی جانے لگیں -

بادشاہ دیوگڑہ میں تھرا رہا - اور دھاراگڑہ کے قلعے کو جس پر باغیوں نے قبضہ کر لیا تھا فتح کرنے کی تھان لی - دھاراگڑہ کے سامنے فرجوں کے پیرے چم گئے - اور لڑائی چھوڑ گئی - روز آتہ جنگ ہرتی اور قلعے کے اندر اور باہر خون کی ندیاں بہتیں - اسی طرح تین مہینے گزر گئے - اتنے میں گجرات سے یہ خبر آئی کہ طافی باغی ہو گیا - یہ بھی معلوم ہوا کہ طافی گجرات کے امہران صدہ سے اور زمینداروں سے سازش کر کے نہروالہ جا پہونچا ہے -

طافی کا باپ صفدرالملک اور خواجہ جہاں احمدایاز کا غلام تھا اور ذات کا موچی تھا - اس نے گجرات کے زمینداروں اور اہلکاروں سے ساز باز کر کے ملک مظفر کا مال لوت لیا اور اسے قتل کر ڈالا - پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر کہمبایٹ جا پہونچا - وہاں خوب لوت مار کی - اس کی جماعت میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے - ان سب کو لے کر وہ کہمبایٹ سے نکلا تو بہروز چلا گیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا - بادشاہ نے یہ خبریں سنیں تو خداوند زادہ قوام الدین شیخ برہان الدین اور ملک جوہر کو کچھ فوج دے کر دیو گڑہ میں اپنا نائب بنایا اور عبادالملک سرٹھڑ کو ان امہران صدہ کے تعائب میں دروایا جو دیو گڑہ سے بھاگ کر بیدر کی طوف چلے گئے تھے - پھر خود جلد جلد بہروز کی جانب چلا -

سلطان محمد اب چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گیا تھا - ہر طرف مخالفتیں کھڑی ہو رہی تھیں ' شورشوں مچ رہی تھیں ' قنصل بھی پڑ رہا تھا ' اس پر طرہ یہ کہ لشکر میں بے چہمی پھیلنے لگی تھی - ایسی حالت میں وہ دیو گڑہ سے بہروز کی طرف روانہ ہوا - دو ایک منزل چلا تھا کہ ضیاالدین برنی نمودار ہو گیا - وہ دہلی سے ملک کبیر اور ملک فہروز کے پیغام لے کر دیو گڑہ کی فتح پر ان دونوں کی طرف سے مبارکباد دینے آیا تھا - ضیاالدین برنی کا قول ہے کہ بادشاہ نے مجھ پر بڑی نوازش کی - کیا نوازش کی ؟ اور ضیاالدین برنی کو کیا دیا ؟ کچھ، دیمہ نہیں چلتا - معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ ضیاالدین برنی کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آیا - کچھ دیا دلایا نہیں - ورنہ شاہی عطیوں کو ضیاالدین برنی چھپانے والا نہ تھا - تاریخ میں ان کا ذکر آہی جاتا ہے - اور دینے دلانے کا موقع ہی نہ تھا - بادشاہ تم فکروں میں ڈوبا ہوا تھا - اس کا دل پھوڑا ہو رہا تھا - برنی کو دیکھتے ہی بولا " ضیاالدین - تم دیکھتے ہو یہ حرام خوار امہران صدہ کیسے

جدی ہو گئے ہیں ؟ ان کی ہمتیں کتنی بڑھ گئی ہیں - فساد برپا کرنے پر دیکھو - یہ لوگ بے طرح تلے ہوئے ہیں - میں جوں توں کر کے ایک طرف کی شورشیں دفع کرتا ہوں تو جہت دوسری طرف سے نئی شورشیں پیدا کر دیتے ہیں - میں سوچتا ہوں کہ دیو گڑھ ، گنجرات اور بھڑچ کے کل امیرانِ صده کو ایک دم ہی قتل کرا دیتا تو شاید ان پریشانوں سے بچ جاتا - طاعی نمک حرام تو مہرا غلام ہے - میں چاہتا تو کچھ بات نہ تھی اس کا نام نشان بھی نہ چھوڑتا - چاہتا چلا وطن کر دیتا اور چاہتا تو شاہِ عدن کے حوالے کر دیتا - دیکھو ! اس وقت وہ مجھے کیسا پریشان کر رہا ہے ” -

بادشاہ کی یہ باتیں ضیاء الدین برنی سنتا رہا ، اور اندر ہی اندر چلتا رہا - اس کا دل سلطان سے صاف نہ تھا اور وہ اُس کے غصے سے ڈرتا تھا ورنہ پھر کہہ دیتا کہ آپ سے اب سلطنت نہیں ہو سکتی - کسی اور کو سونپ دیتے - یہ بات ضیاء الدین برنی پہلے بھی کہہ چکا تھا - اب کے وہ خاموش رہا اور بادشاہ کی بات کا جواب بھی نہ دیا -

بادشاہ بھڑچ کی طرف تیزی سے بڑھتا رہا - یہاں تک کہ وہاں بھڑچ جا پہونچا اور دریائے نربدا کے کنارے اپنا قیصر ڈال دیا - طاعی لقمیوں کو اپنے ساتھ لئے بھڑچ میں پھر رہا تھا - اسے سلطان کی خبر ملی تو بھڑچ سے کھمبایت کی طرف بھاگ گیا - بادشاہ نے ملک یوسف بغرا کو اس کے تعاقب میں دوڑایا - یوسف بغرا نے کھمبایت کے قریب اسے جالیا - وہاں دونوں میں جنگ ہوئی ، لیکن ملک یوسف مارا گیا اس کے ساتھی بھی مارے گئے - جو باقی بچے وہ بھاگ کر بادشاہ کے پاس آئے - بادشاہ پیچ و تاب کھانا کھمبایت کی طرف چلا - طاعی کھمبایت سے بھاگ کر اساول چلا گیا - بادشاہ بھی کھمبایت سے نکل کر اساول کی طرف چلنے لگا - طاعی کو یہ خبر لگی کہ بادشاہ تعاقب میں اساول کی طرف آ رہا ہے تو اُس نے اساول کو چھوڑ نہر والے کا رخ کر لیا - بادشاہ اساول ہی کی سمت بڑھتا رہا ، اور وہاں پہونچا تو بارش شروع ہو گئی اور مہینہ بھر تک ہوتی رہی - بادشاہ تھرا رہا - اٹنے میں خبر ملی کہ طاعی نہر والے سے اساول کو لوٹ آیا ہے - اور اساول کی گڑھی میں قیصر ڈالے چنگ کی تیاریاں کر رہا ہے - یہ سنتے ہی بادشاہ گڑھی کی طرف روانہ ہوا - اس وقت تک بارش کا سلسلہ جاری تھا مگر بادشاہ نے ذرا بھی پروا نہ کی ، برستے ہی میں چل پڑا - گڑھی پہونچا

اور طاعیٰ کو جا لیا - وہ مقابلے پر آمادہ ہو گیا - لڑائی تین گئی - طاعیٰ نے خوب شراب پی اور اپنے سانہیوں کو بھی پلائی - شراب سے مست ہو ہو کر وہ اور اس کے سانہی جی توڑ کر لڑے مگر شاہی ساتھیوں سے ور نہ ہو سکے - شکست کھا کر نہروالہ کی سمت بھاگ گئے کوئی پانیچ سو آدمی پیچھے رہ گئے تھے وہ گرفتار ہوئے اور قتل کئے گئے -

طاعیٰ بھاگ گیا - بادشاہ نے ملک یوسف بغرا کے بیٹے کو فوج دے کر اُس کے تعاقب میں نہر والے درزایا - چلتے چلتے رات ہو گئی تو یوسف بغرا کا بیٹا راستے میں تھہر گیا - طاعیٰ بہت تیزی سے چلتا رہا - راتوں رات نہر والے پہونچا اور وہاں سے اپنا کل سامان لے کر پھر روانہ ہوا اور کچھ ہونا ہوا کتھہ کی طرف نکل گیا - وہاں چند روز تھہرا پھر کرنال کا رخ کیا - کرنال کے راجہ سے اُس نے ساز باز کر لی اور اسی کی مدد سے تھہرے اور دمریلہ کی طرف چلا گیا -

پیچھے سے بادشاہ خود بھی روانہ ہو کر نہروالہ پہونچا - لیکن اُس کے پہونچنے سے تین روز پہلے ہی طاعیٰ نہر والے چھوڑ چکا تھا - بادشاہ وہیں تھہر گیا اور وہاں اس نے ایک دربار کیا جس میں اس طرف کے سب سردار اور اعلیٰ حاضر ہوئے - مہذل اور تیرہی کا رانا بھی آیا - طاعیٰ کے بعض سانہیوں کو جو اس کے علاقے میں آگئے تھے رانا نے قتل کر دیا تھا - ان کے سر اسے نے بادشاہ کے دربار میں حاضر کئے - بادشاہ بہت خوش ہوا ، اور رانا کو بہت سا انعام دیا -

ابھی بادشاہ نہروالہ میں دربار کر رہا تھا کہ دیو گڑھ سے یہ خبر آئی کہ دکن کے امیر آن صده چلے پہلے شاہی فوجوں نے پسپا کر دیا تھا اب پھر مستعد ہو گئے ہیں - حسن گنگو کو اپنا سردار بنا لیا ہے اور عماد الملک مشیر سلطان کو انہوں نے قتل کر دیا ہے - باقی افسروں کو خداوند زادہ قوام الدین اور ملک جوہر وغیرہ کو انہوں نے مالوے کی طرف نکال دیا ہے - حسن گنگو نے ایشی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے اور اس نے سلطان علاء الدین کا لقب اختیار کر لیا ہے - ادھر ادھر کے باغی جو اب تک بادشاہ کے خوف سے چپے پتے پھرتے تھے بے باکی کے ساتھ حسن گنگو سے جا ملے ہیں -

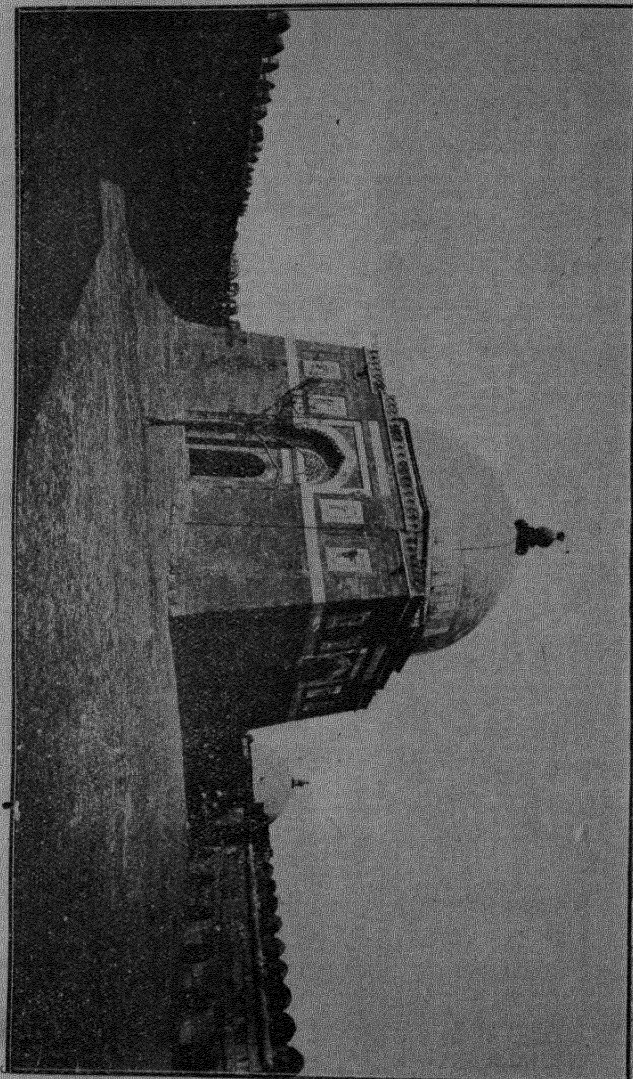
یہ سنتے ہی بادشاہ کے پیروں سے زمین نکل گئی - اس کے چہرے پر زردی سی چھا گئی - مگر اس نے ہمت نہ ہاری - سوچا کہ یہ ساری شورش

جو مسلسل چلی آتی ہے اُس سیاست کی وجہ سے ہے جو میں نے نہر والے میں چاند روز تھہر کر کی ہے۔ یہ سوچ کر اُس نے سیاست سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ یہ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے۔ یہی اُس کا مشورہ تھا۔ بادشاہ نے اُس پر بھی عمل کر لیا۔ سزائیں دینے چھوڑ دیں۔

لیکن ہمارے نزدیک بادشاہ نے مصلحتاً اُس وقت ایسا اعلان کر دیا۔ دراصل پہلے کی سی خونریزی اب نہ کرتا تھا۔ بغاوتوں کے دوران میں جب کہ وہ خود مارا مارا پھر رہا تھا اور دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا پہلے کی سی سیاست۔ سختی اور خونریزی کا موقع بھی کیا تھا؟ پریشانہاں بڑھ رہی تھیں۔ اُس وقت بادشاہ نے ضیاء الدین برنی کو بلایا اور اپنے دل کا حال اُس سے یوں کہا ”میری سلطنت کو طرح طرح کے روگ لگ گئے ہیں۔ جب کسی ایک روگ کا میں علاج کرتا ہوں اور وہ ذرا گھٹتا شروع ہوتا ہے تو دوسرا روگ زور پکڑ چاتا ہے۔ تم نے تاریخ کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ تمہارا کہا خیال ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ ضیاء الدین برنی نے جواب دیا ”میں نے تاریخ کی کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ جب بادشاہ سے رعایا متذکر ہو جائے اور بغاوتیں شروع ہو جائیں تو اُس وقت بادشاہ کو چاہیے کہ اپنے بیوقوفوں اور بھائیوں میں سے جس کسی کو قابل دیکھے اپنا قائم مقام بنادے اور بادشاہت کسی دوسرے کے حوالے نہ کر سکے تو کم سے کم اُن باتوں کو چھوڑ دے جن کی وجہ سے رعایا کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی ہے“۔ بادشاہ نے کہا ”میرا ایسا کوئی بیٹا نہیں جو میرا قائم مقام بن سکے“ وہ گئی سیاست تو وہ میں چھوڑونگا نہیں۔ جو ہونا ہوگا ہو کر رہیگا“۔

یہ کہہ کر بادشاہ دیو گڑھ کا فساد دور کرنے کی فکر کرنے لگا۔ ملک فیروز خواجه جہاں، ملک غزنیں، اور صدر جہاں وغیرہ کو اور ملک افیغہ مع قوجوں کے دہلی سے طلب کیا۔ لیکن جب تک وہ دہلی سے آئیں انہیں دکن سے یہ خبریں آنے لگیں کہ حسن گنگو کے گرد بڑی جمعیت ہو گئی ہے اور اُس کی طاقت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ حالت دگر گوں دیکھی تو بادشاہ کی رائے بدل گئی۔ وہ دہلی کے سرداروں کو بلا چکا تھا لیکن انہوں نے بلا کر اب حسن گنگو کے خلاف بھڑکنا مناسب نہ سمجھا۔ اندیشہ تھا کہ وہاں بیونچ کر اُن میں نفاق نہ ہو جائے اور وہ دشمنوں سے ساز باز نہ کر لیں، اور مغلوب نہ ہو جائیں۔ اُس لئے بادشاہ نے بڑھ کر پہلے گجرات کی مہم کو سر کرنے کا

مکتبہ و حقیقت شاہ



ارادہ کر گیا - سوچا کہ اب تو سارا لشکر گجرات میں لگا دوں ، یہاں کامیابی ہوگئی تو پھر خود ہی جاکر حسن گنگو کی خبر لونکا -

اس کا یہ خیال ایک حد تک درست تھا - سرداروں میں سے ایک بھی ایسا باقی نہ رہا جو بادشاہ کی جگہ کام کرسکتا - جو بادشاہ کے بغیر دشمنوں کے مقابلے پر جما رہتا - سارے لشکر کو یکسو کر کے لڑانا اور دن چیت لہتا - یہ فکریں سلطان محمد کو کھائے جاتی تھیں - یہی فکریں اس کو دیھولی اور بڑودہ کے امہران صدہ کی بغاوت کے وقت درپیش تھیں - اُس وقت بھی اُس نے خود ہی اُن کے مقابلے پر جانے کا ارادہ کیا تھا - اگرچہ قتلغ خاں گجرات کی مہم پر جانے کے لئے تیار تھا لیکن بادشاہ نے اُسے نہ بھیجا - یہ اس کی غلطی بتائی جاتی ہے - مگر اس واقعے سے ظاہر ہے کہ سلطان کو اپنے سرداروں پر بھروسہ نہ تھا۔

غرض بادشاہ گجرات کی مہم میں ہمہ تن مصروف ہوگیا - یہ بڑا دشوار کام تھا - عرصہ لگ گیا - فرشتے نے لکھا ہے کہ دو سال صرف ہوگئے - ضیاءالدین برہنی نے لکھا ہے کہ تین برساتوں متواتر گزریں - پہلی برسات منڈل اور تھری میں گزری - اس اثنا میں بادشاہ گجرات کے علاقوں کی اصلاح میں اور لشکر کی درستی میں برابر مشغول رہا - دوسری برسات قلعہ کرنال کے قریب گزری - کرنال کا راجہ خود سر ہو چلا تھا - شاہی فوجوں کو دیکھ کر خائف ہوگیا - چاہا کہ طافی کو پکڑ کے بادشاہ کے حوالے کر دے - مگر ممکن نہ ہوا - طافی کرنال سے بھاگ کر تھتھے جا پہونچا - وہاں اس نے جام کے پاس پناہ لی - بادشاہ نے کرنال پر پورا قبضہ کر لیا اور بھروسے کے نئے نئے حاکم مقرر کئے - انہیں میں ایک ہندو اہلکار مہتہ نامی सहत्तव تھا - جسے بادشاہ نے گونار کا متصرف مقرر کیا - تیسری برسات بادشاہ کو کوندل میں گزری ، لیکن کوندل پہونچتے بھی نہ پایا تھا کہ دہلی سے ملک کبیر کی سنانی آئی - بادشاہ کو ملک کبیر کی موت کا بڑا صدمہ ہوا تردادات میں گھر گیا - دہلی کے متعلق نئی نئی فکریں پیدا ہوگئیں اور پایہ تخت کا انتظام درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ ہوگیا - اسی سبب اُس نے احمد ایاز اور ملک مقبول کی جدائی گوارا کر لی اور ان دونوں کو دہلی بھیج دیا -

بادشاہ نے ہجری ۷۵۰ اور عیسوی ۱۳۴۹ کی پوری برسات کوندل میں گزاری - اس کی صحت میں پہلے ہی تغور آ گیا تھا - وہاں

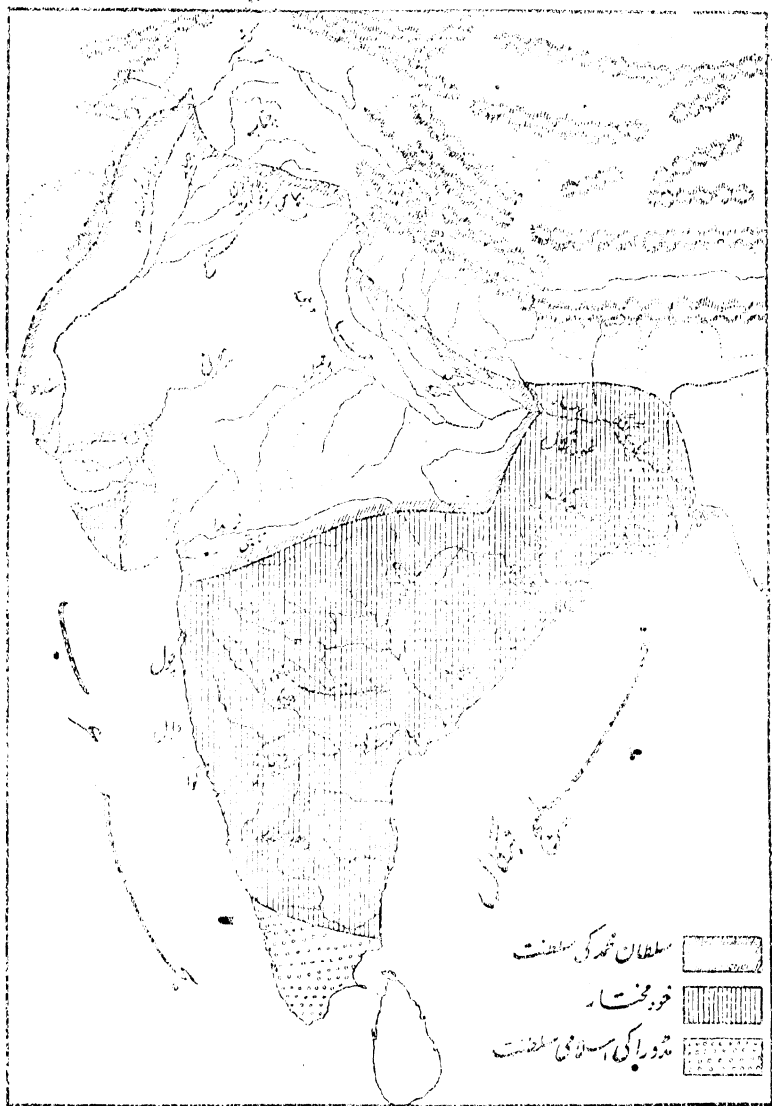
رفتہ رفتہ مرض بڑھ گیا - اس وقت اسے مددگاروں کی ضرورت ہوئی اور طاعی کی سرکوبی کے لئے فوجوں کی اور ضرورت پڑی تو اس نے دہلی کے بعض سرداروں ، عالموں ، اور صوفیوں کے نام حکم بھیج کر انہیں کوندل میں طلب کیا - سرداروں سے اس بات کی خواہش کی کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر آئیں - اسی وقت بادشاہ نے دیپالپور ، ملتان ، اچھ اور سیستان سے کشتیاں منگوائیں

سرداروں ، فوجوں ، اور کشتیوں کا بلانا تو سمجھ میں آتا ہے اور موقعے متعلک کے مناسب معلوم ہوتا ہے ، لیکن بادشاہ نے عالموں اور صوفیوں کو کوندل میں کیوں بلایا ؟ ایسے وقت میں اُن سے کیا مطلب نکل سکتا تھا ؟ وجہ یہ تھی کہ سلطان محمد کو علمی مذاکروں اور مباحثوں کا بڑا شوق تھا اور باعمل عالموں اور خدا رس صوفیوں سے بہت اُنس تھا - ان سب کا ساتھ عرصے سے چھوٹ گیا تھا - وہ چاہتا تھا کہ انہیں پھر اپنی صحبت میں رکھے اور خاص خاص خدمتیں اُن ہی کے سپرد کرے -

غرض جن جن کو بلایا تھا وہ سب کوندل ہی میں آ گئے - وہیں فوجیں بھی آگئیں اور کشتیاں بھی - وہیں فرغانے سے بھی کمک آئی - التون بہادر چار پانچ ہزار مغلوں کی فوج لے کر حاضر ہو گیا ، اس وقت بادشاہ کے دل کو قرار سا ہوا - طبیعت بھی سنبھل گئی - اب اس نے روانگی کا ارادہ کیا - لشکر کو لے کر بڑے ساز و سامان کے ساتھ کوندل سے روانہ ہوا اور دریائے سندھ کو عبور کر کے تھٹھہ کی طرف چلا -

مقصد اس سفر کا طاعی کو گرفتار کرنا تھا - کیوں کہ وہ تھٹھہ کے سمیروں کے پاس جا پہنچتا تھا - فرشتہ نے لکھا ہے کہ سمیروں نے طاعی کو پناہ دے کر اپنے علاقے میں چھپا لیا تھا - بادشاہ کا سر کچلنے اور طاعی کو گرفتار کرنے کی غرض سے تھٹھہ کی طرف روانہ ہوا ، لیکن ابھی تھٹھہ سے تین کوس پر تھا کہ محرم کی دسویں تاریخ آگئی - سلطان کی صحت تو خراب تھی ہی - اس پر سفر کی تکلیفیں اور بے احتیاطیاں - دسویں محرم کو اس نے روزہ رکھا - شام کو افطار کے بعد کچھ مچھلی کھائی - مچھلی بھائی بہت تھی بے اعتدالی ہو گئی - بخار نے آ دیا - لیکن اُس نے پرواہ بھی نہ کی - بخار ہی کی حالت میں کشتی پر سورا ہو گیا اور سفر جاری رکھا - جب تھٹھہ چودہ کوس رہ گیا تو ذرا قیام کرنے کی غرض سے ایک منزل پر اترا - وہاں سے آگے بڑھنا اس کے نصیب میں

سلطان محمد کی سلطنت آخر میں



نہ تھا - حالت بگڑنے لگی - اکیسویں [۱] محرم کو دم دیا - مرتے وقت بڑی بے چہنی اور بے قراری تھی - اسی کرب میں سلطان نے یہ شعر کہے :-
 بسے دریں جہاں چمیدیم بسیار نعیم و نار دیدیم
 اسپان بلند بر نشتم ترکان گدراں بہا خریدیم
 کردیم بسے نشاط آخر چون قامت ماہ نو خمیدیم

ہم نے اس جہاں کی خوب سہر کی - اور باغ عالم کی بہت سی نعمتوں دیکھیں اور تکلیفیں اٹھائیں - اونچے اونچے گھوڑوں پر ہم بیٹھے - اور قیمتی قیمتی فلام ہم نے خریدے - زندگی کے لطف بھی حاصل کئے - آخر پہلی رات کے چاند کی طرح ہماری کمر جھک گئی -

[۱] سلطان محمد کی وفات ۷۵۲ کی اکیسویں محرم اور عیسوی ۱۳۵۱ کی بیسویں مارچ کو ہوئی -

پانچواں باب

پانچ دوروں میں پانچ قسم کے سکے

پہلا دور

عیسوی سنہ ۱۳۲۵ (ہجری سنہ ۷۲۵) سے عیسوی سنہ ۱۳۲۷ (ہجری سنہ ۷۲۷) تک اس دور میں جو سنہری تھکے دہلی کی تیس سال سے نکل کر رائج ہوئے اُن کا نمونہ ہماری سکوں کی عکسی تصویر میں ملاحظہ فرمائیں جو صفحہ ۲۲۲-الف پر موجود ہے۔

سکہ نمبر ۳۲۳ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ایک طرف ”اشہدان لالہ اللہ واشہدان محمد اعبدا رسولہ“ لکھا ہے اور دوسری طرف بیچ میں ”الواثق تباہد الرحمن محمد شاہ سلطان“ اور اسی طرف حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے ”ضرب ہذا الدینار بخصرة دہلی سنہ سبع و عشرين و سبعمائة“۔ یعنی یہ سکہ پایہ تخت دہلی میں سنہ ۷۲۷ھ میں بنایا گیا۔

چاندی کے سکے بھی اس دور میں بنے۔ مثال کے طور پر اس عدلی یا عادل کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو ایک چاندی کا سکہ تھا اور اُس پر وہی عبارت لکھی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اس سکہ کی تصویر ایڈورڈ ٹامس کی کتاب The Chronicles of the Pathan Kings of Delhi کے صفحہ ۲۱۳ پر موجود ہے جس کا نمبر اسی کتاب میں ۱۸۰ ہے۔ اس قسم کے سکے سنہ ۷۲۵ھ اور ۷۲۶ھ میں جاری ہوئے تھے۔

دوسرا دور

سنہ ۱۳۲۷ عیسوی (سنہ ۷۲۷ ہجری) سے سنہ ۱۳۲۹ عیسوی (سنہ ۷۲۹ ہجری) تک اس دور میں جو سنہری تھکے چلے اُن میں سے ایک کی تصویر ایڈورڈ ٹامس کی کتاب میں (جس کا ہم ابھی حوالہ دے چکے ہیں) نمبر ۱۷۷ پر بھی موجود ہے۔ جس کے ایک جانب ”مختی سدن خاتم النبیین“ اور دوسری

جانب ”محمد بن تغلق شاہ“ لکھا ہے اس زمانہ میں جو چاندی کا سکہ نصفی کے نام سے جاری ہوا اس کا ذکر مذکورہ کتاب میں صفحہ ۲۵۲ پر موجود ہے -

اس کے علاوہ چاندی کے جو سکے اس زمانہ میں چلے اُن کا نمونہ سکوں کی عکسی تصویر کے نقشے میں نمبر ۳۲۹ پر ملاحظہ فرمائے جس کے ایک ”طرف سلطان عادل“ اور دوسری طرف ”محمد بن تغلق شاہ“ لکھا ہے -

تیسرا دور

عہد سومی سنہ ۱۳۲۹ (ہجری سنہ ۷۳۰) سے عہد سومی سنہ ۱۳۳۱ (ہجری سنہ ۷۳۲) تک اس دور میں جو پیتل یا تانبے کے سکے رائج ہوئے ان کا نمونہ ہماری کتاب کے عکسی نقشہ میں نمبر ۳۷۸ پر موجود ہے - ایدورہ طامس کی کتاب میں صفحہ ۲۴۹ نمبر ۱۹۵ پر اسی سکہ کا حوالہ دیا گیا ہے - اس کی ایک جانب حدیث سے ملتا جلتا یہ مضمون لکھا ہے ”من اطاع السلاطان فقد اطاع الرحمن“ جس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے بادشاہ کی اطاعت کی اس نے گویا خدا کی اطاعت کی - سکے کی دوسری جانب یہ عبارت لکھی ہے - ”مہر شد تلمکہ رائج در روزگار بلندۂ امہدوار محمد تغلق“ یہ تلمکہ محمد بن تغلق کے عہد میں جاری ہوا جو اللہ کا بلند ہے اور اس کے فضل کا امہدوار ہے حاشیہ پر لکھا ہے ”در تخت گاہ دولت آباد سال پر ہفصدسی“ یعنی یہ سکہ پایہ تخت دولت آباد کی تکر سال میں سنہ ۷۳۰ھ میں بنایا گیا - ایسے ہی سکے سنہ ۷۳۰ھ سے لے کر سنہ ۷۳۲ھ تک پایہ تخت دہلی سے بھی جاری ہوئے - جن کا ذکر ایدورہ طامس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۵ پر کیا ہے -

اس دور میں ایدورہ طامس نے ایک اور سکہ کا ذکر کیا ہے جس کا نام بدجاہ گانی ہے دیکھو صفحہ ۲۴۹ نمبر ۱۹۹ - اس بدجاہ گانی کی ایک جانب لکھا ہے ”مہر شد تلمکہ بدجاہ گانی در روزگار بلندۂ امہدوار محمد تغلق“ یعنی بدجاہ گانی تلمکہ محمد بن تغلق کے عہد میں جاری ہوا جو خدا کا بلند ہے اور اس کے فضل کا امہدوار ہے - دوسری جانب وہی عبارت لکھی ہے جو حدیث سے ملتی جلتی ہے یعنی ”جس نے بادشاہ کی اطاعت کی اس نے گویا خدا کا حکم مانا“ اسی کے حاشیہ پر لکھا ہے ”در تخت گاہ دولت آباد پرسی یک“ یعنی پایہ تخت دولت آباد سے سنہ ۷۳۱ھ میں جاری ہوا -

یہ بات ظاہر ہے کہ جو سکے دہلی کی تیس سال سے نکلے ہیں وہ دولت آباد کی تیس سال میں بھی بنائے گئے اور جو سکے دولت آباد میں بنے وہ دہلی میں بھی بنائے گئے - (ملاحظہ ہو کتاب ایڈورڈ ٹامس صفحہ ۲۲۹) -

چوتھا دور

عیسوی سنہ ۱۲۲۲ (ہجری سنہ ۷۳۳) سے عیسوی سنہ ۱۲۲۳ (ہجری سنہ ۷۳۴) تک جو سکہ جاری ہوئے ان کا نمونہ عکسی نقشے میں نمبر ۳۲۱ پر دیکھئے جس پر ایک طرف لکھا ہے ” فی عہد محمد بن تغلق “ یعنی محمد بن تغلق کے عہد میں اور دوسری طرف قرآن شریف کی یہ آیت لکھی ہے ” واللہ الغنی و انتم الفقراء “ یعنی اللہ غنی ہے اور تم سب محتاج ہو - حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے ” یہ حضرت دہلی سنہ ۷۳۶ و ثلثین و سبعمائه “ یعنی پانچ سو تیس دہلی سے سنہ ۷۳۶ھ میں جاری ہوا -

اسی دور کے اگر اور سکے دیکھئے ہوں تو عکسی تصویریں نمبر ۳۰۰ کو دیکھئے - اس پر ایک طرف لکھا ہے ” ضرب فی زمن العبدالراجی رحمہ اللہ محمد بن “ اور دوسری طرف درج ہے ” السلطان انشہود تغلق شاہ سنہ تسع و ثلثین و سبعمائه “ یعنی پندرہ امجدوار بادشاہ محمد بن تغلق شاہ کے زمانہ سنہ ۷۳۹ھ میں یہ سکہ بنایا گیا ہے -

پانچواں دور

سنہ ۱۲۲۳ عیسوی (سنہ ۷۳۴ ہجری) سے شروع ہو کر سنہ ۱۳۵۱ عیسوی (سنہ ۷۵۲ ہجری) میں ختم ہوا اس آٹھ سال کے عرصہ میں سونے کے نرے سکے بھی بنے اور چاندی اور تانبے کے بھی جن کا ذکر ایڈورڈ ٹامس کی کتاب میں صفحہ ۲۵۸ پر موجود ہے اور ہماری عکسی تصویر میں نمبر ۳۶۰-۳۵۹-۳۷۳ اور ۳۶۶ پر ان میں سے بعض کا حوالہ ہے - اس دور میں بہت سے سکے خلیفہ کے نام کے بھی ملتے ہیں - عکسی تصویر نمبر ۳۶۰ پر ایک جانب یہ عبارت لکھی ہے ” ابو العباس احمد “ دوسری جانب ” الحاکم با مرالہ سنہ ۷۳۸ھ “ اس کا حوالہ ایڈورڈ ٹامس کی کتاب کے صفحہ ۲۶۰ نمبر ۲۱۸ پر موجود ہے

یہ سکے نانبدہ کا ہے اور سنہ ۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۵۰ اور ۷۵۱ ہجری کے آخر تک کا ملتا ہے - ہمارے اس بیان کی تائید ایدورٹ طامس کی کتاب صفحہ ۲۹۰ سے ہوتی ہے -

یہاں یہ بات قابل بیان ہے کہ خلیفہ کے نام کے سکے بادشاہ نے خلیفہ کا فرمان پہنچانے سے پہلے ہی دہلی میں جاری کر دئے تھے ہجری ۷۲۱-۷۲۲ اور ۷۲۳ کے سکے موجود ہیں جن پر بجائے بادشاہ کے نام کے خلیفہ کا نام ”المستکفی باللہ“ درج ہے دیکھو کتاب ایدورٹ طامس صفحہ ۲۵۷ - اس کے بعد کے سکے مستکفی باللہ کے بیٹے اور جانشین التحاکم با مرالہ ابوالعباس احمد کے نام کے ہیں جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں -

ہندستانی اکیڈمی (صوبہ متحدہ) الہ آباد

کے مطبوعات

- ۱—از منہ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات -
از علامہ عبداللہ بن یوسف علی، ایم - اے - ایل ایل -
ایم - سی، بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ - غیر مجلد ۱ روپیہ -
- ۲—اُردو سروے رپورٹ—از مولوی سید محسنہ ضامن علی صاحب
ایم - اے - ۱ روپیہ -
- ۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان، ندوی - روپیہ ۴
- ۴—ناتن (جرمن ڈرامہ) مترجمہ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب -
ایم - اے، ایم - آر، اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۵—فریب علی (ڈراما) مترجمہ بابو جگت موہن لال صاحب،
دواں - ۲ روپیہ -
- ۶—کبیر صاحب - مرتبہ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -
- ۷—قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از راء بہادر مہا مہو آپادھیہا
پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا، مترجمہ منشی پریم چند -
قیمت ۴ روپیہ -
- ۸—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت ۲ روپیہ -
- ۹—ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب،
ڈپٹی ڈائریکٹر زراعت - قیمت ۴ روپیہ -
- ۱۰—عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر، بی - اے، ایل ایل - بی -
۶ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۱—معالمات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین، ایم - اے، پی ایچ - سی -
مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -
- ۱۲—فلسفہ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت مجلد
۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

- ۱۳—مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کولی، ایم - اے
قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۴ روپیہ -
- ۱۴—جواہر سنگھ - جلد اول - مرتبہ مولانا کھنہ چریا کوتی -
قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۵—علم باغبانی - از مستر وصی اللہ خاں - ایل - اے - جی - قیمت
مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۶ روپیہ -
- ۱۶—انقلاب روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سروتنس آف انڈیا
سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۷—جلد دکھلی پہلوان - از محمد نعیم الرحمان، ایم - اے، استاد
عربی و فارسی، الہ آباد یونیورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -
- ۱۸—تاریخ فلسفہ سیاسیات - از محمد محبوب، بی - اے (اکسن)
جامعہ ملیہ اسلامیہ - دہلی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ
غیر مجلد ۳ روپیہ -
- ۱۹—انگریزی عہد مہن ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ
عبد اللہ یوسف علی صاحب - قیمت مجلد ۴ روپیہ غیر
مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۰—فلسفہ جمال - از ریاض الحسن - ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -
- ۲۱—دیوان بہدار - از جلیل احمد قدرائی - ام - اے - قیمت مجلد ۲
روپیہ غیر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۲—نفسیات فاسدہ - از معتقد ولی الرحمان، ایم - اے - قیمت مجلد
۸ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۸ روپیہ -

سول ایجنٹ کتابستان، الہ آباد -

محمد شاه بن تغلق

۹۲۳۵۱

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No.

Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date
last marked below.

۱۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۲۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۳۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۴۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۵۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۶۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۷۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۸۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۹۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو
 ۱۰۔ اگر کسی عیال و عیال کے لئے کچھ کرنا ہو تو

